QuranUrdu.com

تفہیم القرآن

یٰسٓ

(۳۶)

QuranUrdu.com

یٰسٓ

نام

آغاز ہی کے دو حرفوں کو اس سورہ کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول

انداز بیان پر غور کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ اس سورہ کا زمانۂ نزول یا تو مکہ کے دورِ متوسّط کا آخری زمانہ ہے، یا پھر یہ زمانۂ قیامِ مکہ کے آخری دور کی سورتوں میں سے ہے۔

موضوع و مضمون

کلام کا مدّعا کفارِ قریش کو نبوتِ محمدیؐ پر ایمان نہ لانے اور ظلم و اِستہزا سے اس کا مقابلہ کرنے کے انجام سے ڈرانا ہے۔ اس میں اِنذار کا پہلو غالب اور نمایاں ہے مگر بار بار انذار کے ساتھ اِستدلال سے تفہیم بھی کی گئی ہے۔

استدلال تین اُمور پر کیا گیا ہے:

توحید پر آثارِ کائنات اور عقلِ عام سے،

آخرت پر آثارِ کائنات، عقلِ عام اور خود انسان کے اپنے وجود سے،

اور رسالتِ محمدیؐ کی صداقت پر اس بات سے کہ آپؐ تبلیغِ رسالت میں یہ ساری مَشَقّت محض بے غَرَضانہ برداشت کر رہے تھے، اور اس امر سے کہ جن باتوں کی طرف آپؐ لوگوں کو دعوت دے رہے تھے وہ سراسر معقول تھیں اور انھیں قبول کرنے میں لوگوں کا اپنا بھلا تھا۔

اِس اِستدلال کی قوت پر زَجر و توبیخ اور ملامت و تنبیہ کے مضامین نہایت زوردار طریقے سے بار بار ارشاد ہوئے ہیں، تاکہ دلوں کے قفل ٹوٹیں اور جن کے اندر قبولِ حق کی تھوڑی سی صلاحیت بھی ہو وہ مُتاثِّر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔

امام احمد، ابوداؤد، نَسائی، ابنِ ماجہ اور طَبَرانی وغیرہ نے مَعقِلؓ بن یَسار سے رِوایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یٰسٓ قلب القران، یعنی یہ سورہ قرآن کا دل ہے۔ یہ اُسی طرح کی تشبیہ ہے جس طرح سورۂ فاتحہ کو اُمّ القرآن فرمایا گیا ہے۔ فاتحہ کو اُمّ القرآن قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ اُس میں قرآنِ مجید کی پوری تعلیم کا خلاصہ آ گیا ہے۔ اور یٰسین کو قرآن کا دھڑکتا ہوا دل اس لیے فرمایا گیا ہے کہ وہ قرآن کی دعوت کو نہایت پُرزور طریقے سے پیش کرتی ہے جس سے جمود ٹوٹتا اور روح میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔

اِنھی حضرت مَعقِلؓ بن یَسار سے امام احمد، ابوداؤد اور ابنِ ماجہ نے یہ رِوایت بھی نقل کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: اقرءوا سورۃ یٰسٓ علی موتاکم ''اپنے مرنے والوں پر سورۂ یٰسین پڑھا کرو''۔ اس کی مَصلَحت یہ ہے کہ مرتے وقت مسلمان کے ذہن میں نہ صرف یہ کہ تمام اسلامی عقائد تازہ ہو جائیں، بلکہ خُصوصیّت کے ساتھ اُس کے سامنے عالَمِ آخرت کا پورا نقشہ بھی آ جائے اور وہ جان لے کہ حیاتِ دنیا کی منزل سے گزر کر اب آگے کن منزلوں سے اس کو سابقہ پیش آنے والا ہے۔ اس مصلحت کی تکمیل کے لیے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر عَرَبی داں آدمی کو سورۂ یٰسین سنانے کے ساتھ اس کا ترجمہ بھی سُنا دیا جائے تاکہ تذکیر کا حق پوری طرح ادا ہو جائے۔

QuranUrdu.com

۸۳ آیاتہا

سُوْرَۃُ یٰسٓ مَکِّیَّۃٌ

۵ رکوعاتہا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰسٓ ۚ﴿۱﴾ وَ الْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۙ﴿۲﴾ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ﴿۳﴾ عَلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيْمٍ ؕ﴿۴﴾ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۙ﴿۵﴾ لِتُنْذِرَ قَوْمًا

یٰسین[1]۔ قسم ہے قرآنِ حکیم کی کہ تم یقیناً رسولوں میں سے ہو[2]، سیدھے راستے پر ہو،
(اور یہ قرآن) غالب اور رحیم ہستی کا نازل کردہ ہے[3]، تاکہ تم خبردار کرو ایک ایسی قوم کو

۱ — ابنِ عباسؓ، عِکرِمہؒ، ضحّاکؒ، حَسَن بصریؒ اور سُفیان بن عُیَینہؒ کا قول ہے کہ اس کے معنیٰ ہیں: ''اے انسان'' یا ''اے شخص''۔ اور بعض مفسرین نے اسے ''یا سیّد'' کا مخفف بھی قرار دیا ہے۔ اس تاویل کی رُو سے ان الفاظ کے مخاطَب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

۲ — اس طرح کلام کا آغاز کرنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ معاذ اللہ! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت میں کوئی شک تھا اور آپؐ کو یقین دلانے کے لیے اللہ تعالیٰ کو یہ بات فرمانے کی ضرورت پیش آئی۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُس وقت کفارِ قریش پوری شدت کے ساتھ حضورؐ کی نبوت کا انکار کر رہے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے کسی تمہید کے بغیر تقریر کا آغاز ہی اس فقرے سے فرمایا کہ ''تم یقیناً رسولوں میں سے ہو''، یعنی وہ لوگ سخت غلط کار ہیں جو تمھاری نبوت کا انکار کرتے ہیں۔ پھر اس بات پر قرآن کی قسم کھائی گئی ہے، اور قرآن کی صِفَت میں لفظِ ''حکیم'' استعمال کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمھارے نبی ہونے کا کُھلا ہوا ثبوت یہ قرآن ہے جو سراسر حکمت سے لبریز ہے۔ یہ چیز خود شہادت دے رہی ہے کہ جو شخص ایسا حکیمانہ کلام پیش کر رہا ہے وہ یقیناً خدا کا رسول ہے۔ کوئی انسان ایسا کلام تصنیف کر لینے پر قادر نہیں ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جو لوگ جانتے ہیں وہ ہرگز اس غلط فہمی میں نہیں پڑ سکتے کہ یہ کلام آپؐ خود گھڑ گھڑ کر لا رہے ہیں، یا کسی دوسرے انسان سے سیکھ سیکھ کر سنا رہے ہیں۔ (اِس مضمون کی تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن جلد دوم، یونس، حواشی ۲۰-۲۱-۲۲-۴۴-۴۵، بنی اسرائیل، ۱۰۴-۱۰۵۔ جلد سوم، النور، دیباچہ، الشعراء، حاشیہ ۱، النمل، حاشیہ ۹۳، القصص، ۶۲-۶۳-۶۴-۱۰۲ تا ۱۰۹، العنکبوت، ۸۸ تا ۹۱، الروم، تاریخی پَس منظر، حواشی ۱-۲-۳)

۳ — یہاں قرآن کے نازل کرنے والے کی دو صفتیں بیان کی گئی ہیں: ایک یہ کہ وہ غالب اور زبردست ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ رحیم ہے۔ پہلی صفت بیان کرنے سے مقصود اس حقیقت پر مُتنبِّہ کرنا ہے کہ یہ قرآن کسی بے زور ناصح کی نصیحت نہیں ہے جسے تم نظر انداز کر دو تو تمھارا کچھ نہ بگڑے، بلکہ یہ اُس مالکِ کائنات کا فرمان ہے جو سب پر غالب ہے، جس کے فیصلوں کو نافذ ہونے سے کوئی طاقت روک نہیں سکتی، اور جس کی پکڑ سے بچ جانے کی قدرت کسی کو حاصل نہیں ہے۔ اور دوسری صفت بیان کرنے سے مقصود یہ احساس دلانا ہے کہ یہ سراسر اس کی مہربانی ہے کہ اس نے تمھاری ہدایت و رہنمائی کے لیے اپنا رسول بھیجا اور یہ کتابِ عظیم نازل کی، تاکہ تم گمراہیوں سے

QuranUrdu.com

مَّاۤ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝٦ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰۤى
اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝٧ اِنَّا جَعَلْنَا فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا
فَهِیَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝٨ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ
اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ

جس کے باپ دادا خبردار نہ کیے گئے تھے اور اس وجہ سے وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔[۴]
اِن میں سے اکثر لوگ فیصلۂ عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں، اسی لیے وہ ایمان نہیں لاتے۔[۵] ہم نے اُن کی گردنوں میں طوق ڈال دیے ہیں جن سے وہ ٹھوڑیوں تک جکڑے گئے ہیں، اس لیے وہ سر اُٹھائے کھڑے ہیں۔[۶] ہم نے ایک دیوار ان کے آگے کھڑی کر دی ہے اور ایک دیوار اُن کے پیچھے۔ ہم نے انھیں ڈھانک دیا ہے، انھیں

بچ کر اُس راہِ راست پر چل سکو جس سے تمھیں دنیا و آخرت کی کامیابیاں حاصل ہوں۔

۴ – اس آیت کے دو ترجمے ممکن ہیں۔ ایک وہ جو اُوپر مَتن میں کیا گیا ہے۔ دوسرا ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ”تم ڈراؤ ایک قوم کے لوگوں کو اُسی بات سے، جس سے ان کے باپ دادا ڈرائے گئے تھے، کیونکہ وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔“ پہلا مطلب اگر لیا جائے تو باپ دادا سے مراد زمانۂ قریب کے باپ دادا ہوں گے، کیونکہ زمانۂ بعید میں تو عرب کی سرزمین میں متعدّد انبیاؑ آ چکے تھے۔ اور دوسرا مطلب اختیار کرنے کی صورت میں مراد یہ ہوگی کہ قدیم زمانے میں جو پیغام انبیاؑ کے ذریعے سے اس قوم کے آبا و اَجداد کے پاس آیا تھا اس کی اب پھر تجدید کرو، کیونکہ یہ لوگ اسے فراموش کر گئے ہیں۔ اس لحاظ سے دونوں ترجموں میں درحقیقت کوئی تضاد نہیں ہے اور معنٰی کے لحاظ سے دونوں اپنی اپنی جگہ دُرست ہیں۔

اس مقام پر یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس قوم کے اسلاف پر جو زمانہ ایسا گزرا تھا جس میں کوئی خبردار کرنے والا ان کے پاس نہیں آیا، اُس زمانے میں اپنی گمراہی کے وہ کس طرح ذمہ دار ہو سکتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کوئی نبی دنیا میں بھیجتا ہے تو اس کی تعلیم و ہدایت کے اثرات دُور دُور تک پھیلتے ہیں اور نسلاً بعدَ نسلٍ چلتے رہتے ہیں۔ یہ آثار جب تک باقی رہیں اور نبی کے پیروؤں میں جب تک ایسے لوگ اُٹھتے رہیں جو ہدایت کی شمع روشن کرنے والے ہوں، اس وقت تک زمانے کو ہدایت سے خالی نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اور جب اس نبی کی تعلیم کے اثرات بالکل مٹ جائیں یا ان میں مکمل تحریف ہو جائے تو دوسرے نبی کی بِعثت ناگزیر ہو جاتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بِعثت سے پہلے عرب میں حضرت ابراہیم و اسماعیل اور حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام کی تعلیم کے اثرات ہر طرف پھیلے ہوئے تھے اور وقتاً فوقتاً ایسے لوگ اس قوم میں اٹھتے رہے تھے، یا باہر سے آتے رہے تھے جو ان اثرات کو تازہ کرتے رہتے تھے۔ جب یہ اثرات مٹنے کے قریب ہو گئے اور اصل تعلیم میں بھی تحریف ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے حضوؐر کو مبعوث فرما دیا اور

QuranUrdu.com

لَا یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۹﴾ وَ سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَہُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡہُمۡ لَا
یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۰﴾ اِنَّمَا تُنۡذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّکۡرَ وَ خَشِیَ الرَّحۡمٰنَ بِالۡغَیۡبِ ۚ

اب کچھ نہیں سُوجھتا۔[ے] ان کے لیے یکساں ہے، تم انھیں خبردار کرو یا نہ کرو، یہ نہ مانیں گے۔[۸] تم تو اُسی شخص کو خبردار کر سکتے ہو جو نصیحت کی پیروی کرے اور بے دیکھے خدائے رحمٰن سے ڈرے۔

ایسا انتظام فرمایا کہ آپؐ کی ہدایت کے آثار نہ مٹ سکتے ہیں اور نہ مُحرَّف ہو سکتے ہیں۔ (مزید تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد چہارم، سورۃ السجدہ، حاشیہ نمبر ۵)

۵ – یہ اُن لوگوں کا ذکر ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے مقابلے میں ضد اور ہٹ دھرمی سے کام لے رہے تھے اور جنھوں نے طے کر لیا تھا کہ آپؐ کی بات بہر حال مان کر نہیں دینی ہے۔ ان کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ ''یہ لوگ فیصلۂ عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں اس لیے یہ ایمان نہیں لاتے۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ نصیحت پر کان نہیں دھرتے اور خدا کی طرف سے پیغمبروں کے ذریعے سے اِتمامِ حُجّت ہو جانے پر بھی انکار اور حق دشمنی کی رَوِش ہی اختیار کیے چلے جاتے ہیں، ان پر خود ان کی اپنی شامتِ اعمال مسلط کر دی جاتی ہے اور پھر انھیں توفیقِ ایمان نصیب نہیں ہوتی۔ اسی مضمون کو آگے چل کر اس فقرے میں کھول دیا گیا ہے کہ ''تم تو اسی شخص کو خبردار کر سکتے ہو جو نصیحت کی پیروی کرے اور بے دیکھے خدائے رحمٰن سے ڈرے۔''

۶ – اس آیت میں ''طَوق'' سے مراد ان کی اپنی ہٹ دھرمی ہے جو ان کے لیے قبولِ حق میں مانع ہو رہی تھی۔ ''ٹھوڑیوں تک جکڑے جانے'' اور ''سر اُٹھائے کھڑے ہونے'' سے مراد وہ گردن کی اکڑ ہے جو تکبّر اور نَخوَت کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ فرما رہا ہے کہ ہم نے ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کو ان کی گردن کا طَوق بنا دیا ہے، اور جس کِبر و نَخوَت میں یہ مبتلا ہیں اس کی وجہ سے ان کی گردنیں اس طرح اکڑ گئی ہیں کہ اب خواہ کوئی روشن سے روشن حقیقت بھی ان کے سامنے آ جائے، یہ اس کی طرف التفات کر کے نہ دیں گے۔

۷ – ایک دیوار آگے اور ایک پیچھے کھڑی کر دینے سے مراد یہ ہے کہ اسی ہٹ دھرمی اور اِستکبار کا فطری نتیجہ یہ ہوا ہے کہ یہ لوگ نہ پچھلی تاریخ سے کوئی سبق لیتے ہیں، اور نہ مستقبل کے نتائج پر کبھی غور کرتے ہیں۔ ان کے تعصُّبات نے ان کو ہر طرف سے اس طرح ڈھانک لیا ہے اور ان کی غلط فہمیوں نے ان کی آنکھوں پر ایسے پردے ڈال دیے ہیں کہ انھیں وہ کُھلے کُھلے حقائق نظر نہیں آتے جو ہر سلیم الطبع اور بے تعصب انسان کو نظر آ رہے ہیں۔

۸ – اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس حالت میں تبلیغ کرنا بے کار ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمھاری تبلیغِ عام ہر طرح کے انسانوں تک پہنچتی ہے۔ ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ اور کچھ دوسرے لوگ وہ ہیں جن کا ذکر آگے کی آیت میں آ رہا ہے۔ پہلی قسم کے لوگوں سے جب سابقہ پیش آئے اور تم دیکھ لو کہ وہ انکار و اِستکبار اور عناد و مخالفت پر جمے ہوئے ہیں تو ان کے پیچھے نہ پڑو۔ مگر ان کی اس رَوِش سے دل شکستہ و مایوس ہو کر اپنا کام چھوڑ بھی نہ بیٹھو، کیونکہ تمھیں نہیں معلوم کہ اسی ہجومِ خَلق کے درمیان وہ خدا کے بندے کہاں ہیں جو نصیحت قبول کرنے والے اور خدا سے ڈر کر راہِ راست پر آ جانے والے ہیں۔ تمھاری تبلیغ کا اصل مقصود اِسی دوسری قسم کے

QuranUrdu.com

فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۱﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا
قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ع وقف غفران
وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ ج وقف لازم

ع ۱ / ۱۲ / ۱۸

اُسے مغفرت اور اجرِ کریم کی بشارت دے دو۔

ہم یقیناً ایک روز مُردوں کو زندہ کرنے والے ہیں۔ جو کچھ افعال انھوں نے کیے ہیں وہ سب ہم لکھتے جا رہے ہیں، اور جو کچھ آثار انھوں نے پیچھے چھوڑے ہیں وہ بھی ہم ثبت کر رہے ہیں[9]۔ ہر چیز کو ہم نے ایک کُھلی کتاب میں درج کر رکھا ہے۔ ع

انھیں مثال کے طور پر اُس بستی والوں کا قصّہ سناؤ، جب کہ اُس میں رسول آئے تھے[10]۔

انسانوں کو تلاش کرنا اور انھیں چھانٹ چھانٹ کر نکال لینا ہے۔ ہٹ دھرموں کو چھوڑتے جاؤ، اور اس قیمتی متاع کو سمیٹتے چلے جاؤ۔

۹ – اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا نامۂ اعمال تین قسم کے اندراجات پر مشتمل ہے: ایک، یہ کہ ہر شخص جو کچھ بھی اچھا یا بُرا عمل کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے دفتر میں لکھ لیا جاتا ہے۔ دوسرے، اپنے گرد و پیش کی اشیا اور خود اپنے جسم کے اعضا پر جو نقوش (impressions) بھی انسان مُرتَسم کرتا ہے وہ سب کے سب ثبت ہو جاتے ہیں، اور یہ سارے نقوش ایک وقت اس طرح اُبھر آئیں گے کہ اس کی اپنی آواز سُنی جائے گی، اس کے اپنے خیالات اور نیتوں اور ارادوں کی پوری داستان اس کی لوحِ ذہن پر لکھی نظر آئے گی، اور اس کے ایک ایک اچھے اور بُرے فعل اور اس کی تمام حرکات و سکنات کی تصویریں سامنے آجائیں گی۔ تیسرے، اپنے مرنے کے بعد اپنی آیندہ نسل پر، اپنے معاشرے پر اور پوری انسانیت پر اپنے اچھے اور بُرے اعمال کے جو اثرات وہ چھوڑ گیا ہے وہ جس وقت تک اور جہاں جہاں تک کارفرما رہیں گے وہ سب اس کے حساب میں لکھے جاتے رہیں گے۔ اپنی اولاد کو جو بھی اچھی یا بُری تربِیَت اس نے دی ہے، اپنے معاشرے میں جو بھلائیاں یا برائیاں بھی اس نے پھیلائی ہیں، اور انسانیت کے حق میں جو پھول یا کانٹے بھی وہ بو گیا ہے ان سب کا پورا ریکارڈ اس وقت تک تیار کیا جاتا رہے گا جب تک اس کی لگائی ہوئی یہ فصل دنیا میں اپنے اچھے یا بُرے پھل لاتی رہے گی۔

۱۰ – قدیم مفسرین بالعموم اس طرف گئے ہیں کہ اس بستی سے مراد شام کا شہر اَنطاکیہ ہے اور جن رسولوں کا ذکر یہاں کیا گیا ہے انھیں حضرت عیسیٰؑ نے تبلیغ کے لیے بھیجا تھا۔ اس سلسلے میں قصّے کی جو تفصیلات بیان کی گئی ہیں اُن میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ اس زمانے میں اَنطیخش اس علاقے کا بادشاہ تھا۔ لیکن یہ سارا قصّہ ابنِ عباسؓ، قتادہؒ، عِکرِمہؒ، کعب اَحبارؒ اور وہبؒ بن مُنَبِّہ وغیرہ بزرگوں نے عیسائیوں کی غیر مستند روایات سے اخذ کیا ہے اور تاریخی حیثیت سے بالکل بے بنیاد ہے۔ اَنطاکیہ میں سُلوقی خاندان (Seleucid Dynasty) کے ۱۳ بادشاہ انتیوکس (Antiochus) کے نام سے گزرے ہیں اور اس نام کے آخری فرماں روا

QuranUrdu.com

اِذۡ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡهِمُ اثۡنَیۡنِ فَكَذَّبُوۡهُمَا فَعَزَّزۡنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوۡۤا اِنَّاۤ
اِلَیۡكُمۡ مُّرۡسَلُوۡنَ ﴿۱۴﴾ قَالُوۡا مَاۤ اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا ۙ وَمَاۤ اَنۡزَلَ

ہم نے ان کی طرف دو رسول بھیجے اور انھوں نے دونوں کو جھٹلا دیا۔ پھر ہم نے تیسرا مدد کے لیے بھیجا اور ان سب نے کہا: "ہم تمھاری طرف رسول کی حیثیت سے بھیجے گئے ہیں۔"

بستی والوں نے کہا: "تم کچھ نہیں ہو مگر ہم جیسے چند انسان[11]، اور خدائے رحمٰن نے ہرگز

کی حکومت، بلکہ خود اس خاندان کی حکومت بھی ۶۵ قبلِ مسیح میں ختم ہوگئی تھی۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے زمانے میں اَنطاکیہ سمیت شام و فلسطین کا پورا علاقہ رومیوں کے زیرِ نگیں تھا۔ پھر عیسائیوں کی کسی مستند روایت سے اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ خود حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اپنے حَواریوں میں سے کسی کو تبلیغ کے لیے اَنطاکیہ بھیجا ہو۔ اس کے برعکس بائبل کی کتابِ اعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعۂ صلیب کے چند سال بعد عیسائی مبلغین پہلی مرتبہ وہاں پہنچے تھے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ جن لوگوں کو نہ اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہو، نہ اللہ کے رسول نے مامور کیا ہو، وہ اگر بطورِ خود تبلیغ کے لیے نکلے ہوں تو کسی تاویل کی رُو سے بھی وہ اللہ کے رسول قرار نہیں پا سکتے۔ علاوہ بریں بائبل کے بیان کی رُو سے اَنطاکیہ پہلا شہر ہے جہاں کثرت سے غیر اسرائیلیوں نے دینِ مسیحؑ کو قبول کیا اور مسیحی کلیسا کو غیر معمولی کامیابی نصیب ہوئی۔ حالانکہ قرآن جس بستی کا ذکر یہاں کر رہا ہے وہ کوئی ایسی بستی تھی جس نے رسولوں کی دعوت کو رد ّ کر دیا اور بالآخر عذابِ الٰہی کی شکار ہوئی۔ تاریخ میں اس امر کا بھی کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ اَنطاکیہ پر ایسی کوئی تباہی نازل ہوئی ہو جسے انکارِ رسالت کی بنا پر عذاب قرار دیا جا سکتا ہو۔

ان وجوہ سے یہ بات ناقابلِ قبول ہے کہ اس بستی سے مراد انطاکیہ ہے۔ بستی کا تعین نہ قرآن میں کیا گیا ہے، نہ کسی صحیح حدیث میں، بلکہ یہ بات بھی کسی مستند ذریعے سے معلوم نہیں ہوتی کہ یہ رسول کون تھے اور کس زمانے میں بھیجے گئے تھے۔ قرآنِ مجید جس غرض کے لیے یہ قصّہ یہاں بیان کر رہا ہے اسے سمجھنے کے لیے بستی کا نام اور رسولوں کے نام معلوم ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ قصّے کے بیان کرنے کی غرض قریش کے لوگوں کو یہ بتانا ہے کہ تم ہٹ دھرمی، تعصّب اور انکارِ حق کی اُسی روِش پر چل رہے ہو جس پر اُس بستی کے لوگ چلے تھے، اور اسی انجام سے دوچار ہونے کی تیاری کر رہے ہو جس سے وہ دوچار ہوئے۔

۱۱ – دوسرے الفاظ میں ان کا کہنا یہ تھا کہ تم چونکہ انسان ہو اس لیے خدا کے بھیجے ہوئے رسول نہیں ہو سکتے۔ یہی خیال کفارِ مکہ کا بھی تھا۔ وہ کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رسول نہیں ہیں، کیونکہ وہ انسان ہیں:

وَقَالُوۡا مَالِ هٰذَا الرَّسُوۡلِ يَاۡكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمۡشِىۡ فِى الۡاَسۡوَاقِ (الفرقان: ۷)	وہ کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔
وَاَسَرُّوا النَّجۡوَى ۖ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ۖ	اور یہ ظالم لوگ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں کہ

QuranUrdu.com

هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَ اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ○ (الانبیاء: ۳)

یہ شخص (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تم جیسے ایک بشر کے سوا آخر اور کیا ہے، پھر کیا تم آنکھوں دیکھتے اس جادو کے شکار ہو جاؤ گے؟

قرآنِ مجید کفارِ مکہ کے اس جاہلانہ خیال کی تردید کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ یہ کوئی نئی جہالت نہیں ہے جو آج پہلی مرتبہ ان لوگوں سے ظاہر ہو رہی ہو، بلکہ قدیم ترین زمانے سے تمام جہلا اسی غلط فہمی میں مبتلا رہے ہیں کہ جو بشر ہے وہ رسول نہیں ہوسکتا اور جو رسول ہے وہ بشر نہیں ہوسکتا۔ قومِ نوحؑ کے سرداروں نے جب حضرت نوحؑ کی رسالت کا انکار کیا تھا تو یہی کہا تھا:

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚۖ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۚ (المومنون: ۲۴)

یہ شخص اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ایک بشر ہے تم ہی جیسا، اور چاہتا ہے کہ تم پر اپنی فضیلت جمائے۔ حالانکہ اگر اللہ چاہتا تو فرشتے نازل کرتا۔ ہم نے تو یہ بات کبھی اپنے باپ دادا سے نہیں سنی (کہ انسان رسول بن کر آئے)۔

قومِ عاد نے یہی بات حضرت ہودؑ کے متعلق کہی تھی:

هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَ يَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۙ وَ لَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۙ (المومنون: ۳۳-۳۴)

یہ شخص کچھ نہیں ہے مگر ایک بشر تم ہی جیسا۔ کھاتا ہے وہی کچھ جو تم کھاتے ہو، اور پیتا ہے وہی کچھ جو تم پیتے ہو۔ اب اگر تم نے اپنے ہی جیسے ایک بشر کی اطاعت کرلی تو تم بڑے گھاٹے میں رہے۔

قومِ ثمود نے حضرت صالحؑ کے متعلق بھی یہی کہا تھا کہ:

اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗۤ ۙ (القمر: ۲۴)

کیا ہم اپنے میں سے ایک بشر کی پیروی اختیار کرلیں؟

اور یہی معاملہ قریب قریب تمام انبیاؑ کے ساتھ پیش آیا کہ کفار نے کہا: اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا، ''تم کچھ نہیں ہو مگر ہم جیسے بشر۔'' اور انبیاؑ نے ان کو جواب دیا کہ: اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ''واقعی ہم تمھاری طرح بشر کے سوا کچھ نہیں ہیں، مگر اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے عنایت فرماتا ہے۔'' (ابراہیم: ۱۰-۱۱)

اس کے بعد قرآنِ مجید کہتا ہے کہ یہی جاہلانہ خیال ہر زمانے میں لوگوں کو ہدایت قبول کرنے سے باز رکھتا رہا ہے اور اسی بنا پر قوموں کی شامت آئی ہے:

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۫ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ

کیا انھیں اُن لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جنھوں نے اس سے پہلے کفر کیا تھا اور پھر اپنے کیے کا مزا چکھ لیا اور آگے ان کے لیے دردناک عذاب ہے؟ یہ سب کچھ

QuranUrdu.com

الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ
اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾

کوئی چیز نازل نہیں کی[۱۲] ہے، تم محض جھوٹ بولتے ہو۔"

رسولوں نے کہا: "ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم ضرور تمھاری طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں، اور ہم پر صاف صاف پیغام پہنچا دینے کے سوا کوئی ذمّہ داری نہیں[۱۳] ہے۔"

بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۡ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا (التغابُن:۶)

اس لیے ہوا کہ ان کے پاس ان کے رسول کھلی کھلی دلیلیں لے کر آتے رہے مگر انھوں نے کہا: "کیا اب انسان ہماری رہنمائی کریں گے؟" اسی بنا پر انھوں نے کفر کیا اور منہ پھیر گئے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ○ (بنی اسرائیل: ۹۴)

لوگوں کے پاس جب ہدایت آئی تو کوئی چیز انھیں ایمان لانے سے روکنے والی اس کے سوا نہ تھی کہ انھوں نے کہا: "کیا اللہ نے بشر کو رسول بنا کر بھیج دیا؟"

پھر قرآنِ مجید پوری صراحت کے ساتھ کہتا ہے کہ اللہ نے ہمیشہ انسانوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور انسان کی ہدایت کے لیے انسان ہی رسول ہو سکتا ہے نہ کہ کوئی فرشتہ، یا بَشَریّت سے بالاتر کوئی ہستی:

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْــَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ○ (الانبیاء: ۷-۸)

ہم نے تم سے پہلے انسانوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا ہے جن پر ہم وحی کرتے تھے۔ اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ علم سے پوچھ لو۔ اور ہم نے ان کو ایسے جسم نہیں بنایا تھا کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ جینے والے تھے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ (الفرقان: ۲۰)

ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجے تھے وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔

لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ○ (بنی اسرائیل: ۹۵)

اے نبیؐ! ان سے کہو کہ اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چل پھر رہے ہوتے تو ہم ان پر فرشتے ہی کو رسول بنا کر نازل کرتے۔

QuranUrdu.com

قَالُوْۤا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۸ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ؕ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ

بستی والے کہنے لگے: "ہم تو تمھیں اپنے لیے فالِ بد سمجھتے ہیں[14]۔ اگر تم باز نہ آئے تو ہم تم کو سنگسار کر دیں گے اور ہم سے تم بڑی دردناک سزا پاؤ گے۔"

رسولوں نے جواب دیا: "تمھاری فالِ بد تو تمھارے اپنے ساتھ لگی ہوئی ہے[15]۔ کیا یہ باتیں تم اِس لیے کرتے ہو کہ تمھیں نصیحت کی گئی؟ اصل بات یہ ہے کہ تم حد سے گزرے ہوئے

۱۲ – یہ ایک اور جہالت ہے جس میں کفارِ مکہ بھی مبتلا تھے، آج کے نام نہاد عقلیّت پسند لوگ بھی مبتلا ہیں، اور قدیم ترین زمانے سے ہر زمانے کے منکرینِ وحی و رسالت اس میں مبتلا رہے ہیں۔ ان سب لوگوں کا ہمیشہ سے یہ خیال رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ سرے سے انسانی ہِدایت کے لیے کوئی وحی نازل نہیں کرتا۔ اس کو صرف عالَمِ بالا کے معاملات سے دلچسپی ہے۔ انسانوں کا معاملہ اس نے خود انسانوں ہی پر چھوڑ رکھا ہے۔

۱۳ – یعنی ہمارا کام اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ جو پیغام تم تک پہنچانے کے لیے ربّ العالَمین نے ہمارے سُپرد کیا ہے وہ تمھیں پہنچا دیں۔ اس کے بعد تمھیں اختیار ہے کہ مانو یا نہ مانو۔ یہ ذمہ داری ہم پر نہیں ڈالی گئی ہے کہ تمھیں زبردستی منوا کر ہی چھوڑیں۔ اور اگر تم نہ مانو گے تو تمھارے کفر میں ہم نہیں پکڑے جائیں گے بلکہ اپنے اس جرم کی جواب دِہی تم کو خود ہی کرنی پڑے گی۔

۱۴ – اس سے اُن لوگوں کا مطلب یہ تھا کہ تم ہمارے لیے منحوس ہو، تم نے آ کر ہمارے معبُودوں کے خلاف جو باتیں کرنی شروع کی ہیں، ان کی وجہ سے دیوتا ہم سے ناراض ہو گئے ہیں، اور اب جو آفت بھی ہم پر نازل ہو رہی ہے وہ تمھاری بدولت ہی ہو رہی ہے۔ ٹھیک یہی باتیں عرب کے کفار و منافقین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا کرتے تھے: وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ۔ "اگر انھیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تمھاری بدولت ہے۔" (النساء: ۷۸) اسی لیے قرآنِ مجید میں متعدّد مقامات پر ان لوگوں کو بتایا گیا ہے کہ ایسی ہی جاہلانہ باتیں قدیم زمانے کے لوگ بھی اپنے انبیاؑ کے متعلق کہتے رہے ہیں۔ قومِ ثمود اپنے نبی سے کہتی تھی: اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ، "ہم نے تم کو اور تمھارے ساتھیوں کو منحوس پایا ہے۔" (النمل: ۴۷) اور یہی رَوِیّہ فرعون کی قوم کا بھی تھا کہ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ۔ "جب ان پر اچھی حالت آتی تو کہتے کہ یہ ہماری خوش نصیبی ہے، اور اگر کوئی مصیبت اُن پر آ پڑتی تو اسے موسیٰؑ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے۔" (الاعراف: ۱۳۱)

۱۵ – یعنی کوئی کسی کے لیے منحوس نہیں ہے۔ ہر شخص کا نَوِشتۂ تقدیر اس کی اپنی ہی گردن میں لٹکا ہوا ہے۔ بُرائی دیکھتا

QuranUrdu.com

قَوۡمٌ مُّسۡرِفُوۡنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ مِنۡ اَقۡصَا الۡمَدِيۡنَةِ رَجُلٌ يَّسۡعٰى
قَالَ يٰقَوۡمِ اتَّبِعُوا الۡمُرۡسَلِيۡنَۙ ﴿۲۰﴾ اتَّبِعُوۡا مَنۡ لَّا يَسۡـئَلُكُمۡ
اَجۡرًا وَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ﴿۲۱﴾

۲۳ الجزء
وَمَا لِىَ لَاۤ اَعۡبُدُ الَّذِىۡ فَطَرَنِىۡ وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۲۲﴾

لوگ ہو۔[16]"

اِتنے میں شہر کے دُور دراز گوشے سے ایک شخص دَوڑتا ہوا آیا اور بولا: "اے میری قوم کے لوگو! رسولوں کی پیَروی اختیار کر لو۔ پیروی کرو اُن لوگوں کی جو تم سے کوئی اجر نہیں چاہتے اور ٹھیک راستے پر ہیں[17]۔ آخر کیوں نہ میں اُس ہستی کی بندگی کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور جس کی طرف تم سب کو پلٹ کر جانا[18] ہے؟

ہے تو اپنے نصیب کی دیکھتا ہے اور بھلائی دیکھتا ہے تو وہ بھی اس کے اپنے ہی نصیب کی ہوتی ہے۔ وَكُلَّ اِنۡسَانٍ اَلۡزَمۡنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِىۡ عُنُقِهٖ، "ہر شخص کا پروانۂ خیر و شر ہم نے اس کی گردن میں لٹکا دیا ہے۔" (بنی اسرائیل: ۱۳)

۱۶- یعنی دراصل تم بھلائی سے بھاگنا چاہتے ہو اور ہدایت کے بجائے گمراہی تمھیں پسند ہے، اس لیے حق اور باطل کا فیصلہ دلیل سے کرنے کے بجائے اَوہام و خُرافات کے سہارے یہ بہانے بازیاں کر رہے ہو۔

۱۷- اس ایک فقرے میں اُس بندۂ خدا نے نبوت کی صداقت کے سارے دلائل سمیٹ کر رکھ دیے۔ ایک نبی کی صداقت دو ہی باتوں سے جانچی جاسکتی ہے: ایک، اس کا قول و فعل۔ دوسرے، اس کا بے غرض ہونا۔ اس شخص کے اِستدلال کا منشا یہ تھا کہ اوّل تو یہ لوگ سراسر معقول بات کہہ رہے ہیں اور ان کی اپنی سیرت بالکل بے داغ ہے۔ دوسرے، کوئی شخص اس بات کی نشان دہی نہیں کر سکتا کہ اس دین کی دعوت یہ اپنے کسی ذاتی مفاد کی خاطر دے رہے ہیں۔ اس کے بعد کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ان کی بات کیوں نہ مانی جائے۔ اس شخص کا یہ استدلال نقل کر کے قرآنِ مجید نے لوگوں کے سامنے ایک معیار رکھ دیا کہ نبی کی نبوت کو پرکھنا ہو تو اِس کسوٹی پر پرکھ کر دیکھ لو۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و عمل بتا رہا ہے کہ وہ راہ راست پر ہیں۔ اور پھر ان کی سَعْی و جُہد کے پیچھے کسی ذاتی غرض کا بھی نام و نشان تک نہیں ہے۔ پھر کوئی معقول انسان اُن کی بات کو ردّ آخر کس بنیاد پر کرے گا۔

۱۸- اس فقرے کے دو حصّے ہیں۔ پہلا حصّہ اِستدلال کا شاہکار ہے، اور دوسرے حصے میں حکمتِ تبلیغ کا کمال دکھایا گیا ہے۔ پہلے حصّے میں وہ کہتا ہے کہ خالق کی بندگی کرنا تو سراسر عقل و فطرت کا تقاضا ہے۔ نامعقول بات اگر کوئی ہے تو وہ یہ کہ آدمی اُن کی بندگی کرے جنھوں نے اسے پیدا نہیں کیا ہے، نہ یہ کہ وہ اس کا بندہ بن کر رہے جس نے اسے پیدا کیا ہے۔ دوسرے حصّے میں وہ اپنی قوم کے لوگوں کو یہ احساس دلاتا ہے کہ مرنا آخر تم کو بھی ہے، اور اُسی خدا کی طرف جانا ہے جس کی بندگی اختیار کرنے پر تمھیں اعتراض

QuranUrdu.com

ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ
شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾ اِنِّيْۤ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ اِنِّيْۤ
اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾ قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ قَالَ يٰلَيْتَ
قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۷﴾

کیا میں اُسے چھوڑ کر دوسرے معبُود بنالوں؟ حالانکہ اگر خدائے رحمٰن مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو نہ اُن کی شفاعت میرے کسی کام آسکتی ہے اور نہ وہ مجھے چھڑا ہی سکتے ہیں۔[19] اگر میں ایسا کروں[20] تو میں صریح گمراہی میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ میں تو تمھارے رب پر ایمان[21] لے آیا، تم بھی میری بات مان لو۔"

(آخر کار ان لوگوں نے اسے قتل کر دیا اور) اس شخص سے کہہ دیا گیا کہ "داخل ہو جا جنّت میں۔"[22] اُس نے کہا: "کاش! میری قوم کو معلوم ہوتا کہ میرے رب نے کس چیز کی بدولت میری مغفرت فرما دی اور مجھے باعزّت لوگوں میں داخل فرمایا۔"[23]

ہے۔ اب تم خود سوچ لو کہ اس سے منہ موڑ کر تم کس بھلائی کی توقع کر سکتے ہو۔

۱۹ – یعنی نہ وہ خدا کے ایسے چہیتے ہیں کہ میں صریح جرم کروں اور وہ محض اُن کی سِفارش پر مجھے معاف کر دے۔ اور نہ ان کے اندر اتنا زور ہے کہ خدا مجھے سزا دینا چاہے اور وہ اپنے بَل بُوتے پر مجھے چھڑا لے جائیں۔

۲۰ – یعنی یہ جانتے ہوئے بھی اگر میں ان کو معبُود بناؤں۔

۲۱ – اس فقرے میں پھر حکمتِ تبلیغ کا ایک لطیف نکتہ پوشیدہ ہے۔ یہ کہہ کر اُس شخص نے اُن لوگوں کو یہ احساس دلایا کہ جس رب پر میں ایمان لایا ہوں وہ محض میرا ہی رب نہیں ہے بلکہ تمھارا رب بھی ہے۔ اس پر ایمان لا کر میں نے غلطی نہیں کی ہے بلکہ اس پر ایمان نہ لا کر تم ہی غلطی کر رہے ہو۔

۲۲ – یعنی شہادت نصیب ہوتے ہی اس شخص کو جنت کی بشارت دے دی گئی۔ جونہی کہ وہ موت کے دروازے سے گزر کر دوسرے عالَم میں پہنچا، فرشتے اس کے استقبال کو موجود تھے اور انھوں نے اسے خوشخبری دے دی کہ فردوسِ بَریں اس کی منتظر ہے۔ اس فقرے کی تاویل میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ قَتادَہؒ کہتے ہیں کہ "اللہ نے اسی وقت اسے جنت میں داخل کر دیا اور وہ وہاں زندہ ہے، رزق پا رہا ہے۔" اور مُجاہِدؒ کہتے ہیں کہ "یہ بات ملائکہ نے اس سے بشارت کے طور پر کہی اور اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے بعد جب تمام اہلِ ایمان جنت میں داخل ہوں گے تو وہ بھی اُن کے ساتھ داخل ہوگا۔"

QuranUrdu.com

وَ مَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ مَا كُنَّا
مُنْزِلِيْنَ ۝۲۸ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ۝۲۹
يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ
يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۳۰ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ
اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝۳۱ وَ اِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ۝۳۲ ع

وقف غفران

ع ۲

اس کے بعد اُس کی قوم پر ہم نے آسمان سے کوئی لشکر نہیں اُتارا۔ ہمیں لشکر بھیجنے کی کوئی حاجت نہ تھی۔ بس ایک دھماکا ہوا اور یکایک وہ سب بُجھ کر رہ گئے[24]۔ افسوس بندوں کے حال پر! جو رسول بھی ان کے پاس آیا، اس کا وہ مذاق ہی اُڑاتے رہے۔ کیا انھوں نے دیکھا نہیں کہ ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں اور اس کے بعد وہ پھر کبھی ان کی طرف پلٹ کر نہ آئے[25]؟ ان سب کو ایک روز ہمارے سامنے حاضر کیا جانا ہے۔ ع

۲۳ – یہ اُس مردِ مومن کے کمالِ اَخلاق کا ایک نمونہ ہے۔ جن لوگوں نے اسے ابھی ابھی قتل کیا تھا اُن کے خلاف کوئی غصہ اور جذبۂ انتقام اس کے دل میں نہ تھا کہ وہ اللہ سے ان کے حق میں بد دعا کرتا۔ اس کے بجائے وہ اب بھی ان کی خیر خواہی کیے جا رہا تھا۔ مرنے کے بعد اس کے دل میں اگر کوئی تمنّا پیدا ہوئی تو وہ بس یہ تھی کہ کاش! میری قوم میرے اِس انجامِ نیک سے باخبر ہو جائے اور میری زندگی سے نہیں تو میری موت ہی سے سبق لے کر راہِ راست اختیار کر لے۔ وہ شریف انسان اپنے قاتلوں کے لیے بھی جہنّم نہ چاہتا تھا بلکہ یہ چاہتا تھا کہ وہ ایمان لا کر جنت کے مستحق بنیں۔ اسی کی تعریف کرتے ہوئے حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ نصح قومه حيًا وميتا "اس شخص نے جیتے جی بھی اپنی قوم کی خیر خواہی کی اور مر کر بھی۔"

اس واقعے کو بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے کفارِ مکہ کو در پردہ اس حقیقت پر مُتنبّہ فرمایا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی اہلِ ایمان بھی اُسی طرح تمھارے سچے خیر خواہ ہیں جس طرح وہ مردِ مومن اپنی قوم کا خیر خواہ تھا۔ یہ لوگ تمھاری تمام ایذا رسانیوں کے باوجود تمھارے خلاف کوئی ذاتی عناد اور کوئی جذبۂ انتقام نہیں رکھتے۔ ان کو دشمنی تم سے نہیں بلکہ تمھاری گمراہی سے ہے۔ یہ تم سے صرف اس لیے لڑ رہے ہیں کہ تم راہِ راست پر آ جاؤ۔ اس کے سوا ان کا اور کوئی مقصد نہیں ہے۔

یہ آیت بھی من جملہ اُن آیات کے ہے جن سے حیاتِ بَرزَخ کا صریح ثبوت ملتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد سے قیامت تک کا زمانہ خالص عدم اور کامل نیستی کا زمانہ نہیں ہے، جیسا کہ بعض کم علم لوگ گمان کرتے ہیں، بلکہ اس زمانے میں

QuranUrdu.com

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚۖ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا
فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا
فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ۙ ﴿۳۴﴾ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ؕ
اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا

اِن[۲۶] لوگوں کے لیے بے جان زمین ایک نشانی ہے[۲۷]۔ ہم نے اس کو زندگی بخشی اور اس سے غلّہ نکالا جسے یہ کھاتے ہیں۔ ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کیے اور اس کے اندر سے چشمے پھوڑ نکالے، تاکہ یہ اس کے پھل کھائیں۔ یہ سب کچھ اِن کے اپنے ہاتھوں کا پیدا کیا ہوا نہیں ہے[۲۸]۔ پھر کیا یہ شکر ادا نہیں کرتے[۲۹]؟ پاک ہے وہ ذات[۳۰] جس نے جملہ اقسام کے جوڑے پیدا کیے خواہ وہ

جسم کے بغیر روح زندہ رہتی ہے، کلام کرتی اور کلام سنتی ہے، جذبات و احساسات رکھتی ہے، خوشی اور غم محسوس کرتی ہے، اور اہلِ دنیا کے ساتھ بھی اس کی دلچسپیاں باقی رہتی ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتا تو مرنے کے بعد اس مردِ مومن کو جنت کی بشارت کیسے دی جاتی اور وہ اپنی قوم کے لیے یہ تمنا کیسے کرتا کہ کاش وہ اس کے انجام نیک سے باخبر ہو جائے۔

۲۴ — ان الفاظ میں ایک لطیف طنز ہے۔ اپنی طاقت پر اُن کا گھمنڈ اور دینِ حق کے خلاف ان کا جوش و خروش گویا ایک شعلۂ جوّالا تھا جس کے متعلق اپنے زُعم میں وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ ان تینوں انبیا اور ان پر ایمان لانے والوں کو بھسم کر ڈالے گا۔ لیکن اس شعلے کی بساط اس سے زیادہ کچھ نہ نکلی کہ خدا کے عذاب کی ایک ہی چوٹ نے اس کو ٹھنڈا کر کے رکھ دیا۔

۲۵ — یعنی ایسے مٹے کہ ان کا کہیں نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ جو گرا پھر نہ اٹھا۔ دنیا میں آج کوئی ان کا نام لیوا تک نہیں ہے۔ ان کی تہذیب اور ان کے تمدّن ہی کا نہیں، ان کی نسلوں کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

۲۶ — پچھلے دو رُکوعوں میں کفارِ مکہ کو انکار و تکذیب اور مخالفتِ حق کے اس رویے پر ملامت کی گئی تھی جو انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں اختیار کر رکھا تھا۔ اب تقریر کا رُخ اُس بنیادی نزاع کی طرف پھرتا ہے جو اُن کے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کشمکش کی اصل وجہ تھی، یعنی توحید و آخرت کا عقیدہ، جسے حضورؐ پیش کر رہے تھے اور کفار ماننے سے انکار کر رہے تھے۔ اس سلسلے میں پے در پے چند دلائل دے کر لوگوں کو دعوتِ غور و فکر دی جا رہی ہے کہ دیکھو، کائنات کے یہ آثار جو عَلانیہ تمھاری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں، کیا اُس حقیقت کی صاف صاف نشان دِہی نہیں کرتے جسے یہ نبی تمھارے سامنے پیش کر رہا ہے؟

۲۷ — یعنی اس امر کی نشانی کہ توحید ہی حق ہے اور شرک سراسر بے بنیاد ہے۔

QuranUrdu.com

۲۸ – اس فقرے کا دوسرا ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے: "تاکہ یہ کھائیں اُس کے پھل اور وہ چیزیں جو ان کے اپنے ہاتھ بناتے ہیں"، یعنی وہ مصنوعی غذائیں جو قدرتی پیداوار سے یہ لوگ خود تیار کرتے ہیں، مثلاً روٹی، سالن، مُربّے، اچار، چٹنیاں اور بے شمار دوسری چیزیں۔

۲۹ – ان مختصر فقروں میں زمین کی روئیدگی کو دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ آدمی شب و روز اس زمین کی پیداوار کھا رہا ہے اور اپنے نزدیک اِسے ایک معمولی بات سمجھتا ہے۔ لیکن اگر وہ غفلت کا پردہ چاک کر کے نگاہِ غور سے دیکھے تو اسے معلوم ہو کہ اس فرشِ خاک سے لہلہاتی کھیتیوں اور سرسبز باغوں کا اُگنا اور اس کے اندر چشموں اور نہروں کا رواں ہونا کوئی کھیل نہیں ہے جو آپ سے آپ ہوئے جا رہا ہو بلکہ اس کے پیچھے ایک عظیم حکمت و قدرت اور ربوبیت کارفرما ہے۔ زمین کی حقیقت پر غور کیجیے، جن مادّوں سے یہ مرکّب ہے اُن کے اندر بجائے خود کسی نَشو ونُما کی طاقت نہیں ہے۔ یہ سب مادّے فرداً فرداً بھی اور ہر ترکیب و آمیزش کے بعد بھی بالکل غیر نامی ہیں اور اس بنا پر ان کے اندر زندگی کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس بے جان زمین کے اندر سے نباتی زندگی کا ظہور آخر کیسے ممکن ہوا؟ اس کی تحقیق آپ کریں گے تو معلوم ہوگا کہ چند بڑے بڑے اسباب ہیں جو اگر پہلے فراہم نہ کر دیے گئے ہوتے تو یہ زندگی سرے سے وجود میں نہ آ سکتی تھی:

اوّلاً، زمین کے مخصوص خِطّوں میں اس کی اوپری سطح پر بہت سے ایسے مادّوں کی تہ چڑھائی گئی جو نباتات کی غذا بننے کے لیے موزوں ہوسکتے تھے اور اس تہ کو نرم رکھا گیا تاکہ نباتات کی جڑیں اس میں پھیل کر اپنی غذا چوس سکیں۔

ثانیاً، زمین پر مختلف طریقوں سے پانی کی بہم رسانی کا انتظام کیا گیا تاکہ غذائی مادّے اس میں تحلیل ہو کر اس قابل ہو جائیں کہ نباتات کی جڑیں ان کو جذب کر سکیں۔

ثالثاً، اُوپر کی فضا میں ہوا پیدا کی گئی جو آفاتِ سماوی سے زمین کی حفاظت کرتی ہے، جو بارش لانے کا ذریعہ بنتی ہے، اور اپنے اندر وہ گیسیں بھی رکھتی ہے جو نباتات کی زندگی اور ان کے نَشو ونُما کے لیے درکار ہیں۔

رابعاً، سورج اور زمین کا تعلق اس طرح قائم کیا گیا کہ نباتات کو مناسب درجۂ حرارت اور موزوں موسم مل سکیں۔

یہ چار بڑے بڑے اسباب (جو بجائے خود بے شمار ضمنی اسباب کا مجموعہ ہیں) جب پیدا کر دیے گئے تب نباتات کا وجود میں آنا ممکن ہوا۔ پھر یہ سازگار حالات فراہم کرنے کے بعد نباتات پیدا کیے گئے اور ان میں سے ہر ایک کا تخم ایسا بنایا گیا کہ جب اسے مناسب زمین، پانی، ہوا اور موسم میسر آئے تو اس کے اندر نباتی زندگی کی حرکت شروع ہو جائے۔ مزید برآں اسی تخم میں یہ انتظام بھی کر دیا گیا کہ ہر نَوع کے تخم سے لازماً اسی نَوع کا بُوٹا اپنی تمام نوعی اور موروثی خصوصیات کے ساتھ پیدا ہو۔ اور اس سے بھی آگے بڑھ کر مزید کاریگری یہ کی گئی کہ نباتات کی دس بیس یا سو پچاس نہیں بلکہ بے حد و حساب قِسمیں پیدا کی گئیں اور ان کو اس طرح بنایا گیا کہ وہ اُن بے شمار اقسام کے حیوانات اور بنی آدم کی غذا، دوا، لباس، اور اَن گنت دوسری ضرورتوں کو پورا کر سکیں جنھیں نباتات کے بعد زمین پر وجود میں لایا جانے والا تھا۔

اس حیرت انگیز انتظام پر جو شخص بھی غور کرے گا وہ اگر ہٹ دھرمی اور تعصّب میں مبتلا نہیں ہے تو اس کا دل گواہی دے گا کہ یہ سب کچھ آپ سے آپ نہیں ہوسکتا۔ اس میں صریح طور پر ایک حکیمانہ منصوبہ کام کر رہا ہے جس کے تحت زمین، پانی، ہوا

QuranUrdu.com

تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ مِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾

زمین کی نباتات میں سے ہوں، یا خود اِن کی اپنی جنس (یعنی نوعِ انسانی) میں سے، یا اُن اشیا میں سے جن کو یہ جانتے تک نہیں ہیں۔[۳۱]

اور موسم کی مناسبتیں نباتات کے ساتھ، اور نباتات کی مناسبتیں حیوانات اور انسانوں کی حاجات کے ساتھ انتہائی نزاکتوں اور باریکیوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے قائم کی گئی ہیں۔ کوئی ہوش مند انسان یہ تصور نہیں کر سکتا کہ ایسی ہمہ گیر مناسبتیں محض اتفاقی حادثہ کے طور پر قائم ہو سکتی ہیں۔ پھر یہی انتظام اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ یہ بہت سے خداؤں کا کارنامہ نہیں ہو سکتا۔ یہ تو ایک ہی ایسے خدا کا انتظام ہے اور ہو سکتا ہے جو زمین، ہوا، پانی، سورج، نباتات، حیوانات اور نوعِ انسانی، سب کا خالق و رب ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے خدا الگ الگ ہوتے تو آخر کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ ایک ایسا جامع، ہمہ گیر اور گہری حکیمانہ مناسبتیں رکھنے والا منصوبہ بن جاتا اور لاکھوں کروڑوں برس تک اتنی باقاعدگی کے ساتھ چلتا رہتا۔

توحید کے حق میں یہ اِستِدلال پیش کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ؟ یعنی کیا یہ لوگ ایسے احسان فراموش اور نمک حرام ہیں کہ جس خدا نے یہ سب کچھ سروسامان ان کی زندگی کے لیے فراہم کیا ہے، اس کے یہ شکر گزار نہیں ہوتے اور اس کی نعمتیں کھا کھا کر دوسروں کے شکریے ادا کرتے ہیں؟ اس کے آگے نہیں جھکتے اور ان جھوٹے معبودوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں جنھوں نے ایک تنکا بھی اِن کے لیے پیدا نہیں کیا ہے؟

۳۰۔ یعنی ہر شائبۂ نَقص وعیب سے پاک، ہر غلطی اور کمزوری سے پاک، اور اس بات سے پاک کہ کوئی اس کا شریک و سہیم ہو۔ مشرکین کے عقائد کی تردید کرتے ہوئے بالعُموم قرآنِ مجید میں یہ الفاظ اس لیے استعمال کیے جاتے ہیں کہ شرک کا ہر عقیدہ اپنی حقیقت میں اللہ تعالیٰ پر کسی نہ کسی نَقص اور کسی نہ کسی کمزوری اور عیب کا الزام ہے۔ اللہ کے لیے شریک تجویز کرنے کے معنیٰ ہی یہ ہیں کہ ایسی بات کہنے والا دراصل یہ سمجھتا ہے کہ یا تو اللہ تعالیٰ تنہا اپنی خدائی کا کام چلانے کے قابل نہیں ہے، یا وہ مجبور ہے کہ اپنی خدائی میں کسی دوسرے کو شریک کرے، یا کچھ دوسری ہستیاں آپ سے آپ ایسی طاقت ور ہیں کہ وہ خدائی کے نظام میں دخل دے رہی ہیں اور خدا ان کی مداخلت برداشت کر رہا ہے، یا معاذ اللہ! وہ انسانی بادشاہوں کی سی کمزوریاں رکھتا ہے جن کی بنا پر وزیروں، درباریوں، منہ چڑھے مُصاحبوں، اور چہیتے شہزادوں اور شہزادیوں کا ایک لشکر کا لشکر اسے گھیرے ہوئے ہے اور خدائی کے بہت سے اختیارات ان کے درمیان بٹ کر رہ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ جاہلانہ تصوُّرات اگر ذہنوں میں موجود نہ ہوتے تو سرے سے شرک کا خیال پیدا ہی نہ ہو سکتا تھا۔ اسی لیے قرآنِ مجید میں جگہ جگہ یہ بات فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن تمام عُیوب و نقائص اور کمزوریوں سے پاک اور مُنَزَّہ ہے جو مشرکین اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

۳۱۔ یہ توحید کے حق میں ایک اور استدلال ہے، اور یہاں پھر پیش پا اُفتادہ حقائق ہی میں سے بعض کو لے کر بتایا جا رہا ہے کہ شب و روز جن اشیا کا تم مشاہدہ کرتے اور یونہی غور و خوض کیے بغیر گزر جاتے ہو انھی کے اندر حقیقت کا سراغ دینے والے نشانات موجود ہیں۔ عورت اور مرد کا جوڑ تو خود انسان کا اپنا سببِ پیدایش ہے۔ حیوانات کی نسلیں بھی نر و مادہ کے اِزدِواج سے

QuranUrdu.com

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ۙ﴿۳۷﴾ وَالشَّمْسُ
تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۭ﴿۳۸﴾

اِن کے لیے ایک اَور نشانی رات ہے، ہم اُس کے اُوپر سے دن ہٹادیتے ہیں تواِن پر اندھیرا چھا جاتا ہے۔[۳۲] اور سورج، وہ اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جارہا ہے۔[۳۳] یہ زبردست علیم ہستی کا باندھا ہوا حساب ہے۔ اور

چل رہی ہیں۔ نباتات کے متعلق بھی انسان جانتا ہے کہ اُن میں تزویج کا اُصول کام کررہا ہے۔ حتّٰی کہ بے جان مادّوں تک میں مختلف اشیا جب ایک دوسرے سے جوڑ کھاتی ہیں تب کہیں اُن سے طرح طرح کے مرکبات وجود میں آتے ہیں۔ خود مادّے کی بنیادی ترکیب منفی اور مثبت برقی توانائی کے اِرتباط سے ہوئی ہے۔ یہ تزویج، جس کی بدولت یہ ساری کائنات وجود میں آئی ہے، حکمت وصنّاعی کی ایسی باریکیاں اور پیچیدگیاں رکھتی ہے اور اس کے اندر ہر دو زوجین کے درمیان ایسی مناسبتیں پائی جاتی ہیں کہ بے لاگ عقل رکھنے والا کوئی شخص نہ تو اس چیز کو ایک اتفاقی حادثہ کہہ سکتا ہے اور نہ یہ مان سکتا ہے کہ مختلف خداؤں نے ان بے شمار اَزواج کو پیدا کرکے ان کے درمیان اس حکمت کے ساتھ جوڑ لگائے ہوں گے۔ اَزواج کا ایک دوسرے کے لیے جوڑ ہونا اور ان کے اِزدِواج سے نئی چیزوں کا پیدا ہونا خود وحدتِ خالق کی صریح دلیل ہے۔

۳۲- رات اور دن کی آمد و رفت بھی انھی پیش پا اُفتادہ حقائق میں سے ہے جنھیں انسان محض اس بنا پر کہ وہ معمولاً دنیا میں پیش آرہے ہیں، کسی التفات کا مستحق نہیں سمجھتا۔ حالانکہ اگر وہ اس بات پر غور کرے کہ دن کیسے گزرتا ہے اور رات کس طرح آتی ہے، اور دن کے جانے اور رات کے آنے میں کیا حکمتیں کارفرما ہیں تو اسے خود محسوس ہوجائے کہ یہ ایک ربِّ قدیر وحکیم کے وجود اور اس کی یکتائی کی روشن دلیل ہے۔ دن کبھی نہیں جاسکتا اور رات کبھی نہیں آسکتی جب تک زمین کے سامنے سے سورج نہ ہٹے۔ دن کے ہٹنے اور رات کے آنے میں جو انتہائی باقاعدگی پائی جاتی ہے وہ اس کے بغیر ممکن نہ تھی کہ سورج اور زمین کو ایک ہی اٹل ضابطے نے جکڑ رکھا ہو۔ پھر اس رات اور دن کی آمد و رفت کا جو گہرا تعلق زمین کی مخلوقات کے ساتھ پایا جاتا ہے وہ اس بات پر صاف دلالت کرتا ہے کہ کسی نے یہ نظام کمال درجے کی دانائی کے ساتھ بالارادہ قائم کیا ہے۔ زمین پر انسان اور حیوان اور نباتات کا وجود، بلکہ یہاں پانی اور ہوا اور مختلف معدنیات کا وجود بھی دراصل نتیجہ ہے اس بات کا کہ زمین کو سورج سے ایک خاص فاصلے پر رکھا گیا ہے، اور پھر یہ انتظام کیا گیا ہے کہ زمین کے مختلف حصّے تسلسل کے ساتھ مقرر وقفوں کے بعد سورج کے سامنے آتے اور اس کے سامنے سے ہٹتے رہیں۔ اگر زمین کا فاصلہ سورج سے بہت کم یا بہت زیادہ ہوتا، یا اس کے ایک حصّے پر ہمیشہ رات رہتی اور دوسرے حصّے پر ہمیشہ دن رہتا، یا شب و روز کا اُلٹ پھیر بہت تیز یا بہت سُست ہوتا، یا بے قاعدگی کے ساتھ اچانک کبھی دن نکل آتا اور کبھی رات چھا جاتی، تو ان تمام صورتوں میں اس کُرے پر کوئی زندگی ممکن نہ ہوتی، بلکہ غیر زندہ مادّوں کی شکل و ہیئت بھی موجودہ شکل سے بہت مختلف ہوتی۔ دل کی آنکھیں بند نہ ہوں تو آدمی اس نظام کے اندر ایک ایسے خدا کی کارفرمائی صاف دیکھ سکتا ہے جس نے اس زمین پر اس خاص قسم کی مخلوقات کو وجود میں لانے کا ارادہ کیا اور ٹھیک ٹھیک اس کی ضروریات کے مطابق زمین اور سورج کے درمیان یہ نسبتیں قائم کیں۔

QuranUrdu.com

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿۳۹﴾ لَا
الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ

چاند، اُس کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں یہاں تک کہ ان سے گزرتا ہوا وہ پھر کھجور کی سُوکھی شاخ کے مانند رہ جاتا ہے۔[۳۴] نہ سورج کے بس میں یہ ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے[۳۵] اور نہ رات دن پر سبقت لے جا سکتی ہے۔[۳۶]

خدا کا وجود اور اس کی توحید اگر کسی شخص کے نزدیک بعید از عقل ہے تو وہ خود ہی سوچ کر بتائے کہ اس کاریگری کو بہت سے خداؤں کی طرف منسوب کرنا، یا یہ سمجھنا کہ کسی اندھے بہرے قانونِ فطرت کے تحت یہ سب کچھ آپ ہی آپ ہو گیا ہے، کس قدر عقل سے بعید ہونا چاہیے۔ کسی ثبوت کے بغیر محض قیاس و گمان کی بنیاد پر جو شخص یہ دوسری سراسر نامعقول توجیہات مان سکتا ہے وہ جب یہ کہتا ہے کہ کائنات میں نظم اور حکمت اور مقصدیت کا پایا جانا خدا کے ہونے کا کافی ثبوت نہیں ہے تو ہمارے لیے یہ باور کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ واقعی یہ شخص کسی نظریّے یا عقیدے کو قبول کرنے کے لیے کسی درجے میں بھی، کافی یا ناکافی، عقلی ثبوت کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔

۳۳– ٹھکانے سے مراد وہ جگہ بھی ہو سکتی ہے جہاں جا کر سورج کو آخرِ کار ٹھیر جانا ہے اور وہ وقت بھی ہو سکتا ہے جب وہ ٹھیر جائے گا۔ اس آیت کا صحیح مفہوم انسان اسی وقت متعین کر سکتا ہے، جب کہ اسے کائنات کے حقائق کا ٹھیک ٹھیک علم حاصل ہو جائے۔ لیکن انسانی علم کا حال یہ ہے کہ وہ ہر زمانے میں بدلتا رہا ہے اور آج جو کچھ اسے بظاہر معلوم ہے اس کے بدل جانے کا ہر وقت امکان ہے۔ سورج کے متعلق قدیم زمانے کے لوگ عینی مشاہدے کی بنا پر یہ یقین رکھتے تھے کہ وہ زمین کے گرد چکر لگا رہا ہے۔ پھر مزید تحقیق و مشاہَدہ کے بعد یہ نظریّہ قائم کیا گیا کہ وہ اپنی جگہ ساکن ہے اور نظامِ شمسی کے سیّارے اس کے گرد گھوم رہے ہیں۔ لیکن یہ نظریّہ بھی مستقل ثابت نہ ہوا۔ بعد کے مشاہدات سے پتا چلا کہ نہ صرف سورج، بلکہ وہ تمام تارے جن کو ثوابت (fixed stars) کہا جاتا ہے، ایک رخ پر چلے جا رہے ہیں۔ ثوابت کی رفتار کا اندازہ ۱۰ سے لے کر ۱۰۰ میل فی سیکنڈ تک کیا گیا ہے۔ اور سورج کے متعلق موجودہ زمانے کے ماہرینِ فلکیات کہتے ہیں کہ وہ اپنے پورے نظامِ شمسی کو لیے ہوئے ۲۰ کلومیٹر (تقریباً ۱۲ میل) فی سیکنڈ کی رفتار سے حرکت کر رہا ہے۔ (مُلاحظہ ہو: انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، لفظ ''اِسٹار'' اور لفظ ''سَن'')

۳۴– یعنی مہینے کے دَوران میں چاند کی گردش ہر روز بدلتی رہتی ہے۔ ایک دن وہ ہِلال بن کر طلوع ہوتا ہے پھر روز بروز بڑھتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ چودھویں رات کو بدرِ کامل بن جاتا ہے۔ اِس کے بعد روز گھٹتا چلا جاتا ہے حتّٰی کہ آخرِ کار پھر اپنی ابتدائی ہِلالی شکل پر واپس پہنچ جاتا ہے۔ یہ چکر لاکھوں برس سے پوری باقاعدگی کے ساتھ چل رہا ہے اور چاند کی ان مقرر منزلوں میں کبھی فرق نہیں آتا۔ اسی وجہ سے انسان حساب لگا کر ہمیشہ یہ معلوم کر سکتا ہے کہ کس روز چاند کس منزل میں ہوگا۔ اگر اس کی حرکت کسی ضابطے کی پابند نہ ہوتی تو یہ حساب لگانا ممکن نہ ہوتا۔

۳۵– اس فقرے کے دو مطلب لیے جا سکتے ہیں اور دونوں صحیح ہیں۔ ایک، یہ کہ سورج میں یہ طاقت نہیں ہے کہ چاند کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لے، یا خود اس کے مدار میں داخل ہو کر اس سے جا ٹکرائے۔ دوسرا، یہ کہ جو اوقات چاند کے طلوع و ظہور کے لیے

QuranUrdu.com

وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي

سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔[۳۷]

اِن کے لیے یہ بھی ایک نشانی ہے کہ ہم نے اِن کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں

مقرر کر دیے گئے ہیں اُن میں سورج کبھی نہیں آ سکتا۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ رات کو چاند چمک رہا ہو اور یکایک سورج اُفق پر آ جائے۔

۳۶ – یعنی ایسا بھی کبھی نہیں ہوتا کہ دن کی مقررہ مدّت ختم ہونے سے پہلے رات آ جائے اور جو اوقات دن کی روشنی کے لیے مقرر ہیں، اُن میں وہ اپنی تاریکیاں لیے ہوئے یکایک آ موجود ہو۔

۳۷ – فَلَكٌ کا لفظ عربی زبان میں سیاروں کے مدار (orbit) کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اس کا مفہوم سَمَاء (آسمان) کے مفہوم سے مختلف ہے۔ یہ ارشاد کہ "سب ایک فلک میں تیر رہے ہیں"، چار حقیقتوں کی نشان دہی کرتا ہے: ایک، یہ کہ نہ صرف سورج اور چاند، بلکہ تمام تارے اور سیّارے اور اَجرامِ فلکی متحرک ہیں۔ دوسرے، یہ کہ ان میں سے ہر ایک کا فلک، یعنی ہر ایک کی حرکت کا راستہ یا مدار الگ ہے۔ تیسرے، یہ کہ افلاک تاروں کو لیے ہوئے گردش نہیں کر رہے ہیں بلکہ تارے افلاک میں گردش کر رہے ہیں۔ اور چوتھے، یہ کہ افلاک میں تاروں کی حرکت اس طرح ہو رہی ہے جیسے کسی سیّال چیز میں کوئی شے تیر رہی ہو۔

ان آیات کا اصل مقصد علمِ ہیئت کے حقائق بیان کرنا نہیں ہے بلکہ انسان کو یہ سمجھانا مقصود ہے کہ اگر وہ آنکھیں کھول کر دیکھے اور عقل سے کام لے تو زمین سے لے کر آسمان تک جدھر بھی وہ نگاہ ڈالے گا اس کے سامنے خدا کی ہستی اور اس کی یکتائی کے بے حد و حساب دلائل آئیں گے اور کہیں کوئی ایک دلیل بھی دَہریّت اور شرک کے ثبوت میں نہ ملے گی۔ ہماری یہ زمین جس نظامِ شمسی میں شامل ہے اس کی عظمت کا یہ حال ہے کہ اس کا مرکز، سورج زمین سے ۳ لاکھ گنا بڑا ہے، اور اس کے بعید ترین سیّارے نیپچون کا فاصلہ سورج سے کم از کم ۲ ارب ۷۹ کروڑ ۳۰ لاکھ میل ہے۔ بلکہ اگر پلُوٹو کو بعید ترین سیّارہ مانا جائے تو وہ سورج سے ۴ ارب ۶۰ کروڑ میل دُور تک پہنچ جاتا ہے۔ اس عظمت کے باوجود یہ نظامِ شمسی ایک بہت بڑے کہکشاں کا محض ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔ جس کہکشاں (galaxy) میں ہمارا یہ نظامِ شمسی شامل ہے اس میں تقریباً ۳ ہزار ملین (تین ارب) آفتاب پائے جاتے ہیں، اور اس کا قریب ترین آفتاب ہماری زمین سے اس قدر دور ہے کہ اس کی روشنی یہاں تک پہنچنے میں ۴ سال صَرف ہوتے ہیں۔ پھر یہ کہکشاں بھی پوری کائنات نہیں ہے، بلکہ اب تک کے مشاہدات کی بنا پر اندازہ کیا گیا ہے کہ یہ تقریباً ۲۰ لاکھ لولبی سحابیوں (spiral nebulae) میں سے ایک ہے، اور ان میں سے قریب ترین سحابیے کا فاصلہ ہم سے اس قدر زیادہ ہے کہ اس کی روشنی ۱۰ لاکھ سال میں ہماری زمین تک پہنچتی ہے۔ رہے بعید ترین اجرامِ فلکی جو ہمارے موجودہ آلات سے نظر آتے ہیں، ان کی روشنی تو زمین تک پہنچنے میں ۱۰ کروڑ سال لگ جاتے ہیں۔ اس پر بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انسان نے ساری کائنات دیکھ لی ہے۔ یہ خدا کی خدائی کا بہت تھوڑا سا حصّہ ہے جو اب تک انسانی مشاہدے میں آیا ہے۔ آگے نہیں کہا جا سکتا کہ مزید ذرائعِ مشاہدہ فراہم ہونے پر اور کتنی وسعتیں انسان پر منکشف ہوں گی۔

QuranUrdu.com

الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَ خَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَ اِنْ
نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَ لَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَ
مَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۴۴﴾ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ

سوار کر دیا[۳۸]، اور پھر اِن کے لیے ویسی ہی کشتیاں اَور پیدا کیں جن پر یہ سوار ہوتے ہیں[۳۹]۔ ہم چاہیں تو اِن کو غرق کر دیں، کوئی اِن کی فریاد سننے والا نہ ہو اور کسی طرح یہ نہ بچائے جاسکیں۔ بس ہماری رحمت ہی ہے جو انھیں پار لگاتی اور ایک وقتِ خاص تک زندگی سے مُتمتّع ہونے کا موقع دیتی ہے[۴۰]۔ اِن لوگوں سے جب کہا جاتا ہے کہ بچو اُس انجام سے جو تمھارے آگے آ رہا ہے

تمام معلومات جو اس وقت تک کائنات کے متعلق بہم پہنچی ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ پورا عالَم اِسی مادّے سے بنا ہوا ہے جس سے ہماری یہ چھوٹی سی ارضی دنیا بنی ہے اور اس کے اندر وہی ایک قانون کام کر رہا ہے جو ہماری زمین کی دنیا میں کارفرما ہے، ورنہ یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ ہم اس زمین پر بیٹھے ہوئے اتنی دُور دراز دنیاؤں کے مُشاہدے کرتے اور ان کے فاصلے ناپتے اور ان کی حرکات کے حساب لگاتے۔ کیا یہ اس بات کا صریح ثبوت نہیں ہے کہ یہ ساری کائنات ایک ہی خدا کی تخلیق اور ایک ہی فرماں روا کی سلطنت ہے؟ پھر جو نظم، جو حکمت، جو صنّاعی اور جو مناسبت اِن لاکھوں کہکشانوں اور ان کے اندر گھومنے والے اربوں تاروں اور سیّاروں میں پائی جاتی ہے اس کو دیکھ کر کیا کوئی صاحبِ عقل انسان یہ تصور کر سکتا ہے کہ یہ سب کچھ آپ سے آپ ہو گیا ہے؟ اس نظم کے پیچھے کوئی ناظم، اس حکمت کے پیچھے کوئی حکیم، اس صنعت کے پیچھے کوئی صانع، اور اس مناسبت کے پیچھے کوئی منصوبہ ساز نہیں ہے؟

۳۸ – بھری ہوئی کشتی سے مراد ہے حضرت نوحؑ کی کشتی۔ اور نسلِ انسانی کو اُس پر سوار کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کشتی میں بظاہر تو حضرت نوحؑ کے چند ساتھی ہی بیٹھے ہوئے تھے مگر درحقیقت قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسان اس پر سوار تھے۔ کیوں کہ طوفانِ نوحؑ میں ان کے سوا باقی پوری اولادِ آدم کو غرق کر دیا گیا تھا اور بعد کی انسانی نسل صرف انھی کشتی والوں سے چلی۔

۳۹ – اِس سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ تاریخ میں پہلی کشتی جو بنی وہ حضرت نوحؑ والی کشتی تھی۔ اُس سے پہلے انسان کو دریاؤں اور سمندروں کے عُبور کرنے کا کوئی طریقہ معلوم نہ تھا۔ اس طریقے کی تعلیم سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو دی۔ اور جب اُن کی بنائی ہوئی کشتی پر سوار ہو کر اللہ کے کچھ بندے طوفان سے بچ نکلے تو آیندہ ان کی نسل نے بحری سفروں کے لیے کشتیاں بنانے کا سلسلہ شروع کر دیا۔

۴۰ – پچھلی نشانیوں کا ذکر دلائلِ توحید کی حیثیت سے کیا گیا تھا، اور اِس نشانی کا ذکر یہ احساس دلانے کے لیے

QuranUrdu.com

وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ
اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا
مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ
لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۷﴾

اور تمھارے پیچھے گزر چکا ہے،[41] شاید کہ تم پر رحم کیا جائے (تو یہ سُنی اَن سُنی کر جاتے ہیں)۔ اِن کے سامنے اِن کے رب کی آیات میں سے جو آیت بھی آتی ہے یہ اس کی طرف اِلتفات نہیں کرتے۔[42] اور جب اِن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو رزق تمھیں عطا کیا ہے اُس میں سے کچھ اللہ کی راہ میں بھی خرچ کرو تو یہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ہے ایمان لانے والوں کو جواب دیتے ہیں: ''کیا ہم اُن کو کھلائیں جنھیں اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا؟ تم تو بالکل ہی بہک گئے ہو۔''[43]

فرمایا گیا ہے کہ انسان کو فطرت کی طاقتوں پر تصرُّف کے جو اختیارات بھی حاصل ہیں وہ اللہ کے دیے ہوئے ہیں، اُس کے اپنے حاصل کیے ہوئے نہیں ہیں۔ اور ان طاقتوں پر تصرف کے جو طریقے اس نے دریافت کیے ہیں وہ بھی اللہ کی رہنمائی سے اس کے علم میں آئے ہیں، اس کے اپنے معلوم کیے ہوئے نہیں ہیں۔ انسان کا اپنا بل بُوتا یہ نہ تھا کہ اپنے زور سے وہ اِن عظیم طاقتوں کو مسخر کرتا اور نہ اس میں یہ صلاحیت تھی کہ خود اَسرارِ فطرت کا پتا چلا لیتا اور ان قوتوں سے کام لینے کے طریقے جان سکتا۔ پھر جن قوتوں پر بھی اللہ نے اس کو اقتدار عطا کیا ہے اُن پر اس کا قابو اسی وقت تک چلتا ہے جب تک اللہ کی مرضی یہ ہوتی ہے کہ وہ اس کے لیے مسخر رہیں۔ ورنہ جب مرضیِ الٰہی کچھ اور ہوتی ہے تو وہی طاقتیں جو انسان کی خدمت میں لگی ہوتی ہیں، اچانک اس پر پلٹ پڑتی ہیں اور آدمی اپنے آپ کو ان کے سامنے بالکل بے بس پاتا ہے۔ اس حقیقت پر مُتنبِّہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بحری سفر کے معاملے کو محض بطورِ نمونہ پیش کیا ہے۔ نوعِ انسانی پوری کی پوری طوفان میں ختم ہو جاتی اگر اللہ تعالیٰ کشتی بنانے کا طریقہ حضرت نوحؑ کو نہ سُجھا دیتا اور اُن پر ایمان لانے والے لوگ اس میں سوار نہ ہو جاتے۔ پھر نوعِ انسانی کے لیے تمام رُوئے زمین پر پھیلنا اسی وجہ سے ممکن ہوا کہ اللہ سے کشتی سازی کے اُصولوں کا علم پا کر لوگ دریاؤں اور سمندروں کو عُبور کرنے کے لائق ہو گئے۔ مگر اُس ابتدا سے چل کر آج کے عظیم الشان جہازوں کی تعمیر تک انسان نے جتنی کچھ ترقی کی ہے اور جہاز رانی کے فن میں جتنا کچھ بھی کمال حاصل کیا ہے اس کے باوجود وہ یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ دریا اور سمندر، سب اس کے قابو میں آ گئے ہیں اور ان پر اسے مکمل غلبہ حاصل ہو گیا ہے۔ آج بھی خدا کا پانی خدا ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے اور جب وہ چاہتا ہے انسان کو اُس کے جہازوں سمیت اس میں غرق کر دیتا ہے۔

۴۱ – یعنی جو تم سے پہلے کی قومیں دیکھ چکی ہیں۔

QuranUrdu.com

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٨﴾ مَا يَنْظُرُونَ إِلَّا
صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُونَ ﴿٤٩﴾ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً
وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ﴿٥٠﴾ ع وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ

ع ۱۸ ۳ ۲

یہ[۴۴] لوگ کہتے ہیں کہ "یہ قیامت کی دھمکی آخر کب پوری ہوگی؟ بتاؤ اگر تم سچے ہو[۴۵]۔" دراصل یہ جس چیز کی راہ تک رہے ہیں وہ بس ایک دھماکا ہے جو یکایک اِنھیں عین اُس حالت میں دھر لے گا جب یہ (اپنے دُنیوی معاملات میں) جھگڑ رہے ہوں گے، اور اُس وقت یہ وصیّت تک نہ کر سکیں گے، نہ اپنے گھروں کو پلٹ سکیں[۴۶] گے۔ ع پھر ایک صُور پھونکا جائے گا اور یکایک یہ اپنے رب کے حضور پیش ہونے

۴۲ — آیات سے مراد کتاب اللہ کی آیات بھی ہیں جن کے ذریعے سے انسانوں کو نصیحت کی جاتی ہے، اور وہ آیات بھی مراد ہیں جو آثارِ کائنات اور خود انسان کے وجود اور اس کی تاریخ میں موجود ہیں جو انسان کو عبرت دلاتی ہیں، بشرطیکہ وہ عبرت حاصل کرنے کے لیے تیار ہو۔

۴۳ — اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ کفر نے صرف ان کی عقل ہی اندھی نہیں کی ہے بلکہ ان کی اَخلاقی حِس کو بھی مُردہ کر دیا ہے۔ وہ نہ خدا کے بارے میں صحیح تفکُّر سے کام لیتے ہیں، نہ خلق کے ساتھ صحیح طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں۔ ان کے پاس ہر نصیحت کا الٹا جواب ہے۔ ہر گمراہی اور بد اَخلاقی کے لیے ایک اَوندھا فلسفہ ہے۔ ہر بھلائی سے فرار کے لیے ایک گھڑا گھڑایا بہانہ موجود ہے۔

۴۴ — توحید کے بعد دوسرا مسئلہ جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار کے درمیان نزاع برپا تھی وہ آخرت کا مسئلہ تھا۔ اس کے متعلق عقلی دلائل تو آگے چل کر خاتمۂ کلام پر دیے گئے ہیں، مگر دلائل دینے سے پہلے یہاں اس مسئلے کو لے کر عالَمِ آخرت کا ایک عبرتناک نقشہ اُن کے سامنے کھینچا گیا ہے تاکہ انھیں یہ معلوم ہو کہ جس چیز کا وہ انکار کر رہے ہیں وہ ان کے انکار سے ٹلنے والی نہیں ہے، بلکہ لامحالہ ایک روز اِن حالات سے انھیں دوچار ہونا ہے۔

۴۵ — اس سوال کا مطلب یہ نہ تھا کہ وہ لوگ فی الواقع قیامت کے آنے کی تاریخ معلوم کرنا چاہتے تھے، اور اگر مثلاً ان کو یہ بتا دیا جاتا کہ وہ فُلاں سنہ میں فلاں مہینے کی فلاں تاریخ کو پیش آئے گی تو ان کا شک رفع ہو جاتا اور وہ اسے مان لیتے۔ دراصل اس طرح کے سوالات وہ محض کج بحثی کے لیے چیلنج کے انداز میں کرتے تھے اور اُن کا مدّعا یہ کہنا تھا کہ کوئی قیامت ویامت نہیں آنی ہے، تم خواہ مخواہ ہمیں اس کے ڈراوے دیتے ہو۔ اسی بنا پر ان کے جواب میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ قیامت فلاں روز آئے گی، بلکہ انھیں یہ بتایا گیا کہ وہ آئے گی اور اس شان سے آئے گی۔

QuranUrdu.com

مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ
مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾ اِنْ
كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۵۳﴾

وقف لازم
وقف غفران
وقف منزل

کے لیے اپنی قبروں سے نکل پڑیں [۴۷] گے۔ گھبرا کر کہیں گے: "ارے، یہ کس نے ہمیں ہماری خواب گاہ سے اُٹھا کھڑا کیا؟ [۴۸]" ـــــ "یہ وہی چیز ہے جس کا خدائے رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور رسولوں کی بات سچّی تھی [۴۹]۔" ایک ہی زور کی آواز ہوگی اور سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کر دیے جائیں گے۔

۴۶ـــ یعنی ایسا نہیں ہوگا کہ قیامت آہستہ آہستہ آ رہی ہے اور لوگ دیکھ رہے ہیں کہ وہ آ رہی ہے۔ بلکہ وہ اس طرح آئے گی کہ لوگ پورے اطمینان کے ساتھ اپنی دنیا کے کاروبار چلا رہے ہیں اور ان کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ تصور موجود نہیں ہے کہ دنیا کے خاتمے کی گھڑی آ پہنچی ہے۔ اس حالت میں اچانک ایک زور کا کڑاکا ہوگا اور جو جہاں تھا وہیں دھرا کا دھرا رہ جائے گا۔

حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ اور حضرت ابوہُریرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رِوایت کرتے ہیں کہ لوگ راستوں پر چل رہے ہوں گے، بازاروں میں خرید و فروخت کر رہے ہوں گے، اپنی مجلسوں میں بیٹھے گفتگوئیں کر رہے ہوں گے۔ ایسے میں یکایک صُور پھونکا جائے گا۔ کوئی کپڑا خرید رہا تھا تو ہاتھ سے کپڑا رکھنے کی نوبت نہ آئے گی کہ ختم ہو جائے گا۔ کوئی اپنے جانوروں کو پانی پلانے کے لیے حوض بھرے گا اور ابھی پلانے نہ پائے گا کہ قیامت برپا ہو جائے گی۔ کوئی کھانا کھانے بیٹھے گا اور لقمہ اُٹھا کر منہ تک لے جانے کی بھی اسے مہلت نہ ملے گی۔

۴۷ـــ صُور کے متعلق تفصیلی کلام کے لیے مُلاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد سوم، طٰہٰ، حاشیہ ۷۸۔ پہلے صُور اور دوسرے صُور کے درمیان کتنا زمانہ ہوگا، اس کے متعلق کوئی معلومات ہمیں حاصل نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ زمانہ سیکڑوں اور ہزاروں برس طویل ہو۔ حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ کی رِوایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: اسرافیلؑ صُور پر منہ رکھے عرش کی طرف دیکھ رہے ہیں اور منتظر ہیں کہ کب پھونک مارنے کا حکم ہوتا ہے۔ یہ صور تین مرتبہ پھونکا جائے گا۔ پہلا نفخۃ الفَزَع، جو زمین و آسمان کی ساری مخلوق کو سہا دے گا۔ دوسرا نفخۃ الصَّعق جسے سنتے ہی سب ہلاک ہو کر گر جائیں گے۔ پھر جب اللہ واحد صمد کے سوا کوئی باقی نہ رہے گا تو زمین بدل کر کچھ سے کچھ کر دی جائے گی اور اسے عُکاظی بِساط کی طرح ایسا سپاٹ کر دیا جائے گا کہ اس میں کوئی ذرا سی سِلوٹ تک نہ رہے گی۔ پھر اللہ اپنی خلق کو بس ایک جھڑکی دے گا جسے سنتے ہی ہر شخص جس جگہ مر کر گرا تھا اسی جگہ وہ اس بدلی ہوئی زمین پر اٹھ کھڑا ہوگا، اور یہی نفخۃ القیام لربّ العالمین ہے۔ اسی مضمون کی تائید قرآنِ مجید کے بھی متعدّد اشارات سے ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر مُلاحظہ ہو، تفہیم القرآن، جلد دوم، ابراہیم، حواشی ۵۶ – ۵۷۔ جلد سوم، طٰہٰ، حواشی ۸۲ – ۸۳۔

۴۸ـــ یعنی اُس وقت انھیں یہ احساس نہ ہوگا کہ وہ مر چکے تھے اور اب ایک مدتِ دراز کے بعد دوبارہ زندہ کر کے

QuranUrdu.com

فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ
اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ
عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿۵۶﴾ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿۵۷﴾
سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾
اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ

آج کسی[۵۰] پر ذرّہ برابر ظلم نہ کیا جائے گا اور تمھیں ویسا ہی بدلہ دیا جائے گا جیسے عمل تم کرتے رہے تھے ـــــ آج جنّتی لوگ مزے کرنے میں مشغول ہیں[۵۱]، وہ اور ان کی بیویاں گھنے سایوں میں ہیں مَسندوں پر تکیے لگائے ہوئے، ہر قسم کی لذیذ چیزیں کھانے پینے کو ان کے لیے وہاں موجود ہیں، جو کچھ وہ طلب کریں اُن کے لیے حاضر ہے، ربِّ رحیم کی طرف سے ان کو سلام کہا گیا ہے ـــــ اور اَے مجرمو! آج تم چھٹ کر الگ ہو جاؤ[۵۲]۔ آدم کے بچو! کیا میں نے تم کو ہدایت نہ کی تھی کہ شیطان کی بندگی نہ کرو، وہ تمھارا

اٹھائے گئے ہیں، بلکہ وہ اس خیال میں ہوں گے کہ ہم سوئے پڑے تھے، اب یکایک کسی خوفناک حادثے کی وجہ سے ہم جاگ اٹھے ہیں اور بھاگے جا رہے ہیں۔ (مزید تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد دوم، ابراہیم، حاشیہ ۱۸، جلد سوم، طٰہٰ، حاشیہ ۷۸)

۴۹ – یہاں اس امر کی کوئی تصریح نہیں ہے کہ یہ جواب دینے والا کون ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ دیر بعد خود انھی لوگوں کی سمجھ میں معاملے کی اصل حقیقت آجائے اور وہ آپ ہی اپنے دلوں میں کہیں کہ ہائے ہماری کم بختی! یہ تو وہی چیز ہے جس کی خبر خدا کے رسول ہمیں دیتے تھے اور ہم اسے جھٹلایا کرتے تھے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اہلِ ایمان ان کی غلط فہمی رفع کریں اور ان کو بتائیں کہ یہ خواب سے بیداری نہیں بلکہ موت کے بعد دوسری زندگی ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ جواب قیامت کا پورا ماحول ان کو دے رہا ہو، یا فرشتے ان کو حقیقتِ حال سے مُطّلع کریں۔

۵۰ – یہ وہ خطاب ہے جو اللہ تعالیٰ کفار و مشرکین اور فُسّاق و مجرمین سے اُس وقت فرمائے گا جب وہ اُس کے سامنے حاضر کیے جائیں گے۔

۵۱ – اس کلام کو سمجھنے کے لیے یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ صالح اہلِ ایمان میدانِ حشر میں روک کر نہیں رکھے جائیں گے بلکہ ابتدا ہی میں ان کو بلا حساب، یا ہلکی حساب فہمی کے بعد جنت میں بھیج دیا جائے گا، کیونکہ ان کا ریکارڈ صاف ہوگا۔ انھیں دورانِ عدالت میں انتظار کی تکلیف دینے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ میدانِ حشر میں جواب دہی کرنے والے

QuranUrdu.com

عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٦٠﴾ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾

وقف غفران

کُھلا دشمن ہے، اور میری ہی بندگی کرو، یہ سیدھا راستہ ہے؟[۵۳]

مجرموں کو بتائے گا کہ دیکھو، جن صالح لوگوں کو تم دنیا میں بے وقوف سمجھ کر ان کا مذاق اُڑاتے تھے، وہ اپنی عقلمندی کی بدولت آج جنت کے مزے لُوٹ رہے ہیں، اور تم جو اپنے آپ کو بڑا زِیرک و فرزانہ سمجھ رہے تھے، یہاں کھڑے اپنے جرائم کی جواب دِہی کر رہے ہو۔

۵۲ – اس کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ مومنین صالحین سے الگ ہو جاؤ، کیونکہ دنیا میں چاہے تم ان کی قوم اور ان کے کنبے اور برادری کے لوگ رہے ہو، مگر یہاں اب تمھارا ان کا کوئی رشتہ باقی نہیں ہے۔ اور دوسرا مفہوم یہ کہ تم آپس میں الگ الگ ہو جاؤ۔ اب تمھارا کوئی جتّھا قائم نہیں رہ سکتا۔ تمھاری سب پارٹیاں توڑ دی گئیں۔ تمھارے تمام رشتے اور تعلقات کاٹ دیے گئے۔ تم میں سے ایک ایک شخص کو اب تنہا اپنی ذاتی حیثیت میں اپنے اعمال کی جواب دِہی کرنی ہوگی۔

۵۳ – یہاں پھر اللہ تعالیٰ نے "عبادت" کو اطاعت کے معنیٰ میں استعمال فرمایا ہے۔ ہم اس سے پہلے تفہیم القرآن میں متعدّد مقامات پر اس مضمون کی تشریح کر چکے ہیں۔ (مُلاحظہ ہو: جلد اوّل، البقرہ، حاشیہ: ۱۷۰ النساء، حاشیہ ۱۴۵، الانعام، حاشیہ، ۸۷-۱۰۷۔ جلد دوم، التوبہ، حاشیہ ۳۱، ابراہیم، حاشیہ ۳۲۔ جلد سوم، الکہف، حاشیہ ۵۰۔ مریم: حاشیہ ۲۷، القصص، حاشیہ ۸۶۔ جلد چہارم، سورۂ سبا، حاشیہ ۶۳) اس سلسلہ میں وہ نفیس بحث بھی قابلِ مُلاحظہ ہے جو اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے امام رازیؒ نے اپنی تفسیر کبیر میں فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ کے معنیٰ ہیں: لَا تُطِيْعُوْهُ (اس کی اطاعت نہ کرو۔) اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کو محض سجدہ کرنا ہی ممنوع نہیں ہے بلکہ اس کی اطاعت کرنا اور اس کے حکم کی فرمانبرداری کرنا بھی ممنوع ہے۔ لہٰذا طاعت عبادت ہے۔" اس کے بعد امام صاحب یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ اگر عبادت بمعنیٰ طاعت ہے تو کیا آیت يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ میں ہم کو رسول اور اُمرا کی عبادت کا حکم دیا گیا ہے؟ پھر اس سوال کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ: "ان کی اطاعت، جب کہ اللہ کے حکم سے ہو تو وہ اللہ ہی کی عبادت اور اسی کی اطاعت ہوگی۔ کیا دیکھتے نہیں ہو کہ ملائکہ نے اللہ کے حکم سے آدم کو سجدہ کیا اور یہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ تھی۔ امرا کی اطاعت ان کی عبادت صرف اُس صورت میں ہوگی جب کہ ایسے معاملات میں اُن کی اطاعت کی جائے جن میں اللہ نے ان کی اطاعت کا اِذن نہیں دیا ہے۔" پھر فرماتے ہیں: "اگر کوئی شخص تمھارے سامنے آئے اور تمھیں کسی چیز کا حکم دے تو دیکھو کہ اس کا یہ حکم اللہ کے حکم کے موافق ہے یا نہیں۔ موافق نہ ہو تو شیطان اس شخص کے ساتھ ہے۔ اگر اس حالت میں تم نے اس کی اطاعت کی تو تم نے اس کی اور اس کے شیطان کی عبادت کی۔ اسی طرح اگر تمھارا نفس تمھیں کسی کام کے کرنے پر اُکسائے تو دیکھو کہ شرع کی رُو سے وہ کام کرنے کی اجازت ہے یا نہیں۔ اجازت نہ ہو تو تمھارا نفس خود شیطان ہے یا شیطان اس کے ساتھ ہے۔ اگر تم نے اس کی پیروی کی تو تم اس کی عبادت کے مرتکب ہوئے۔" آگے چل کر وہ پھر فرماتے ہیں: "مگر شیطان کی عبادت کے مراتب مختلف ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ایک کام کرتا ہے اور اس کے اعضا کے ساتھ اس کی زبان بھی اس کی مُوافقت کرتی ہے اور دل بھی اس میں شریک ہوتا ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اعضا و جوارح سے تو آدمی ایک کام

QuranUrdu.com

وَ لَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ؕ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۲﴾
هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا
كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۶۴﴾ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَآ
اَيْدِيْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾

مگراس کے باوجود اس نے تم میں سے ایک گروہِ کثیر کو گمراہ کر دیا۔[۵۴] کیا تم عقل نہیں رکھتے تھے؟ یہ وہی جہنّم ہے جس سے تم کو ڈرایا جاتا رہا تھا۔ جو کفر تم دنیا میں کرتے رہے ہو اُس کی پاداش میں اب اِس کا ایندھن بنو۔

آج ہم اِن کے منہ بند کیے دیتے ہیں، اِن کے ہاتھ ہم سے بولیں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے کہ یہ دنیا میں کیا کمائی کرتے رہے ہیں۔[۵۵]

کرتا ہے مگر دل اور زبان اس کام میں شریک نہیں ہوتے۔ بعض لوگ ایک گناہ کا ارتکاب اس حال میں کرتے ہیں کہ دل اُن کا اس پر راضی نہیں ہوتا اور زبان ان کی اللہ سے مغفرت کر رہی ہوتی ہے اور وہ اعتراف کرتے ہیں کہ ہم یہ بُرا کام کر رہے ہیں۔ یہ محض ظاہری اعضا سے شیطان کی عبادت ہے۔ کچھ اور لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ٹھنڈے دل سے جرم کرتے ہیں اور زبان سے بھی اپنے اس فعل پر خوشی و اطمینان کا اظہار کرتے ہیں...... یہ ظاہر و باطن دونوں میں شیطان کے عابد ہیں۔" (تفسیر کبیر، ج ۷، ص ۱۰۳-۱۰۴)

۵۴ — یعنی اگر تم عقل سے محروم رکھے گئے ہوتے اور پھر اپنے رب کو چھوڑ کر اپنے دشمن کی بندگی کرتے تو تمہارے لیے عذر کی کوئی گنجایش تھی۔ لیکن تمھارے پاس تو خدا کی دی ہوئی عقل موجود تھی جس سے تم اپنی دنیا کے سارے کام چلا رہے تھے، اور تمھیں خدا نے پیغمبروں کے ذریعے سے مُتَنَبِّہ بھی کر دیا تھا۔ اس پر بھی جب تم اپنے دشمن کے فریب میں آئے اور وہ تمھیں گمراہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تو اپنی اس حماقت کی ذمّہ داری سے تم کسی طرح بَرِی نہیں ہو سکتے۔

۵۵ — یہ حکم اُن ہیکڑ مجرموں کے معاملے میں دیا جائے گا جو اپنے جرائم کا اقبال کرنے سے انکار کریں گے، گواہیوں کو بھی جھٹلا دیں گے، اور نامۂ اعمال کی صحّت بھی تسلیم نہ کریں گے۔ تب اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ اچھا، اپنی بکواس بند کرو، اور دیکھو کہ تمھارے اپنے اعضائے بدن تمھارے کرتوتوں کی کیا روداد سناتے ہیں۔ اس سلسلے میں یہاں صرف ہاتھوں اور پاؤں کی شہادت کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ مگر دوسرے مقامات پر بتایا گیا ہے کہ ان کی آنکھیں، ان کے کان، ان کی زبانیں اور ان کے جسم کی کھالیں بھی پوری داستان سنا دیں گی کہ وہ ان سے کیا کام لیتے رہے ہیں: يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَ اَيْدِيْهِمْ

QuranUrdu.com

وَ لَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓی اَعْیُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰی
یُبْصِرُوْنَ ﴿۶۶﴾ وَ لَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰی مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا
مُضِیًّا وَّ لَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۶۷﴾ ع وَ مَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِی الْخَلْقِ ؕ اَفَلَا

ع ۴ / ۳

ہم چاہیں تو اِن کی آنکھیں مُوند دیں، پھر یہ راستے کی طرف لپک کر دیکھیں، کہاں سے اِنھیں راستہ سُجھائی دے گا؟ ہم چاہیں تو اِنھیں اِن کی جگہ ہی پر اس طرح مسخ کر کے رکھ دیں کہ یہ نہ آگے چل سکیں نہ پیچھے پلٹ سکیں۔[56] ع جس شخص کو ہم لمبی عمر دیتے ہیں، اس کی ساخت کو ہم اُلٹ ہی دیتے ہیں،[57] کیا (یہ حالات دیکھ کر)

وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔ (النور، آیت ۲۴) حَتّٰۤی اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَیْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (حٰمٓ السجدہ، آیت ۲۰) یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم ان کے منہ بند کر دیں گے، اور دوسری طرف سورۂ نور کی آیت میں فرماتا ہے کہ ان کی زبانیں گواہی دیں گی، اِن دونوں باتوں میں تطابُق کیسے ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ منہ بند کر دینے سے مراد ان کا اختیارِ کلام سلب کر لینا ہے، یعنی اس کے بعد وہ اپنی زبان سے اپنی مرضی کے مطابق بات نہ کر سکیں گے۔ اور زبانوں کی شہادت سے مراد یہ ہے کہ ان کی زبانیں خود یہ داستان سنانا شروع کر دیں گی کہ ہم سے اِن ظالموں نے کیا کام لیا تھا، کیسے کیسے کفر بکے تھے، کیا کیا جھوٹ بولے تھے، کیا کیا فتنے برپا کیے تھے، اور کس کس موقع پر انھوں نے ہمارے ذریعے سے کیا باتیں کی تھیں۔

۵۶ – قیامت کا نقشہ کھینچنے کے بعد اب انھیں بتایا جا رہا ہے کہ یہ قیامت تو خیر تمھیں دُور کی چیز نظر آتی ہے، مگر ذرا ہوش میں آ کر دیکھو کہ خود اِس دنیا میں، جس کی زندگی پر تم پھولے ہوئے ہو، تم کس طرح اللہ کے دستِ قدرت میں بے بس ہو۔ یہ آنکھیں جن کی بینائی کے طفیل تم اپنی دنیا کے سارے کام چلا رہے ہو، اللہ کے ایک اشارے سے اندھی ہو سکتی ہیں۔ یہ ٹانگیں جن کے بل پر تم یہ ساری دَوڑ دھوپ دکھا رہے ہو، اللہ کے ایک حکم سے ان پر اچانک فالج گر سکتا ہے۔ جب تک اللہ کی دی ہوئی یہ طاقتیں کام کرتی رہتی ہیں، تم اپنی خودی کے زعم میں مدہوش رہتے ہو، مگر جب ان میں سے کوئی ایک طاقت بھی جواب دے جاتی ہے تو تمھیں معلوم ہو جاتا ہے کہ تمھاری بساط کتنی ہے۔

۵۷ – ساخت اُلٹ دینے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑھاپے میں آدمی کی حالت بچوں کی سی کر دیتا ہے۔ اُسی طرح وہ چلنے پھرنے سے معذور ہوتا ہے۔ اُسی طرح دوسرے اُسے اُٹھاتے بٹھاتے اور سہارا دے کر چلاتے ہیں۔ اُسی طرح دوسرے اس کو کھلاتے پلاتے ہیں۔ اُسی طرح وہ اپنے کپڑوں میں اور اپنے بستر پر رفعِ حاجت کرنے لگتا ہے۔ اسی طرح وہ ناسمجھی کی باتیں کرتا

QuranUrdu.com

یَعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَ مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَ مَا یَنْۢبَغِیْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ
وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِیْنٌ ﴿۶۹﴾ لِّیُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَیًّا وَّ یَحِقَّ الْقَوْلُ
عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ﴿۷۰﴾ اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَاۤ
اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَ ذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ
وَ مِنْهَا یَاْكُلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَ لَهُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَ مَشَارِبُ ؕ

انھیں عقل نہیں آتی؟

ہم نے اس (نبیؐ) کو شعر نہیں سکھایا ہے اور نہ شاعری اس کو زیب ہی دیتی ہے۔[58] یہ تو ایک نصیحت ہے اور صاف پڑھی جانے والی کتاب، تاکہ وہ ہر اُس شخص کو خبردار کردے جو زندہ ہو[59] اور انکار کرنے والوں پر حُجّت قائم ہو جائے۔

کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں ہیں کہ ہم نے اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی چیزوں[60] میں سے اِن کے لیے مویشی پیدا کیے، اور اب یہ ان کے مالک ہیں۔ ہم نے انھیں اس طرح اِن کے بس میں کر دیا ہے کہ ان میں سے کسی پر یہ سوار ہوتے ہیں، کسی کا یہ گوشت کھاتے ہیں، اور اُن کے اندر اِن کے لیے طرح طرح کے فوائد اور مشروبات ہیں۔

ہے جس پر لوگ ہنستے ہیں۔ غرض جس کمزوری کی حالت سے اس نے دنیا میں اپنی زندگی کا آغاز کیا تھا، اختتامِ زندگی پر وہ اسی حالت کو پہنچ جاتا ہے۔

۵۸ – یہ اس بات کا جواب ہے کہ کفار توحید و آخرت اور زندگی بعدِ موت اور جنت و دوزخ کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو محض شاعری قرار دے کر اپنے نزدیک بے وزن ٹھیرانے کی کوشش کرتے تھے۔ (مزید تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد سوم، الشعراء، حاشیہ ۱۴۲)

۵۹ – زندہ سے مراد سوچنے اور سمجھنے والا انسان ہے، جس کی حالت پتھر کی سی نہ ہو کہ آپ اس کے سامنے خواہ کتنی ہی معقولیت کے ساتھ حق اور باطل کا فرق بیان کریں اور کتنی ہی دردمندی کے ساتھ اس کو نصیحت کریں، وہ نہ کچھ سنے، نہ سمجھے اور نہ اپنی جگہ سے سرکے۔

۶۰ – ’’ہاتھوں‘‘ کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے بطورِ اِستعارہ استعمال ہوا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ معاذ اللہ!

QuranUrdu.com

اَفَلَا يَشۡكُرُوۡنَ ﴿۷۳﴾ وَاتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمۡ
يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۷۴﴾ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ نَصۡرَهُمۡ ۙ وَهُمۡ لَهُمۡ جُنۡدٌ مُّحۡضَرُوۡنَ ﴿۷۵﴾
فَلَا يَحۡزُنۡكَ قَوۡلُهُمۡ ۘ اِنَّا نَعۡلَمُ مَا يُسِرُّوۡنَ وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ ﴿۷۶﴾

وقف لازم

پھر کیا یہ شکر گزار نہیں ہوتے؟[۶۱] یہ سب کچھ ہوتے ہوئے اِنھوں نے اللہ کے سوا دوسرے خدا بنا لیے ہیں اور یہ اُمید رکھتے ہیں کہ اِن کی مدد کی جائے گی۔ وہ ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے بلکہ یہ لوگ اُلٹے اُن کے لیے حاضر باش لشکر بنے ہوئے ہیں۔[۶۲] اچھا، جو باتیں یہ بنا رہے ہیں وہ تمھیں رنجیدہ نہ کریں، اِن کی چھُپی اور کھُلی سب باتوں کو ہم جانتے ہیں۔[۶۳]

وہ ذاتِ پاک جسم رکھتی ہے اور انسانوں کی طرح ہاتھوں سے کام کرتی ہے۔ بلکہ اس سے یہ احساس دلانا مقصود ہے کہ ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے خود بنایا ہے، ان کی تخلیق میں کسی دوسرے کا ذرّہ برابر دخل نہیں ہے۔

۶۱ – نعمت کو مُنعِم کے سوا کسی اور کا عَطِیّہ سمجھنا، اس پر کسی اور کا احسان مند ہونا، اور مُنعِم کے سوا کسی اور سے نعمت پانے کی اُمید رکھنا یا نعمت طلب کرنا، یہ سب کفرانِ نعمت ہے۔ اسی طرح یہ بھی کفرانِ نعمت ہے کہ آدمی مُنعِم کی دی ہوئی نعمت کو اس کی رضا کے خلاف استعمال کرے۔ لہٰذا ایک مشرک اور کافر اور منافق اور فاسق انسان، محض زبان سے شکر کے الفاظ ادا کر کے خدا کا شاکر بندہ قرار نہیں پا سکتا۔ کفارِ مکہ اس بات کے منکر نہ تھے کہ اِن جانوروں کو خدا نے پیدا کیا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہتا تھا کہ ان کے پیدا کرنے میں دوسرے معبودوں کا کوئی دخل ہے۔ مگر یہ سب کچھ ماننے کے باوجود جب وہ خدا کی دی ہوئی نعمتوں پر اپنے معبودوں کے شکریے بجا لاتے اور ان کے آگے نذریں اور نیازیں پیش کرتے اور ان سے مزید نعمتوں کی دعائیں مانگتے اور ان کے لیے قربانیاں کرتے تھے تو خدا کے لیے ان کا زبانی شکر بالکل بے معنیٰ ہو جاتا تھا۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ ان کو کافرِ نعمت اور احسان فراموش قرار دے رہا ہے۔

۶۲ – یعنی وہ جھوٹے معبود بے چارے خود اپنی بقا اور اپنی حفاظت اور اپنی ضروریات کے لیے اِن عبادت گزاروں کے محتاج ہیں۔ یہ ان کے لشکر نہ ہوں تو اُن غریبوں کی خدائی ایک دن نہ چلے۔ یہ اُن کے حاضر باش غلام بنے ہوئے ہیں۔ یہ اُن کی بارگاہیں بنا اور سجا رہے ہیں۔ یہ اُن کے لیے پروپیگنڈا کرتے پھرتے ہیں۔ یہ خلقِ خدا کو ان کا گرویدہ بناتے ہیں۔ یہ ان کی حمایت میں لڑتے اور جھگڑتے ہیں۔ تب کہیں اُن کی خدائی چلتی ہے۔ ورنہ ان کا کوئی پوچھنے والا بھی نہ ہو۔ وہ اصلی خدا نہیں ہیں کہ کوئی اس کو مانے یا نہ مانے، وہ اپنے زور پر آپ ساری کائنات کی فرماں روائی کر رہا ہے۔

۶۳ – خطاب ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ اور کھُلی اور چھُپی باتوں کا اشارہ اس طرف ہے کہ کفارِ مکہ کے وہ بڑے بڑے سردار جو آپؐ کے خلاف جھوٹ کے طوفان اٹھا رہے تھے، وہ اپنے دلوں میں جانتے، اور اپنی نجی محفلوں میں مانتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو الزامات وہ لگا رہے ہیں وہ سراسر بے اصل ہیں۔ وہ لوگوں کو آپؐ کے خلاف بدگمان کرنے کے لیے آپؐ کو شاعر،

QuranUrdu.com

اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۷﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۭ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ

کیا[۶۴] انسان دیکھتا نہیں ہے کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا اور پھر وہ صریح جھگڑالو بن کر کھڑا ہو گیا؟[۶۵] اب وہ ہم پر مثالیں چسپاں کرتا ہے[۶۶] اور اپنی پیدایش کو بھول جاتا ہے۔[۶۷] کہتا ہے "کون اِن ہڈیوں کو زندہ کرے گا

کاہن، ساحر، مجنون اور نہ معلوم کیا کیا کہتے تھے، مگر خود ان کے ضمیر اس بات کے قائل تھے، اور آپس میں وہ ایک دوسرے کے سامنے اقرار کرتے تھے کہ یہ سب جھوٹی باتیں ہیں جو محض آپؐ کی دعوت کو نیچا دکھانے کے لیے وہ گھڑ رہے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے فرماتا ہے کہ ان لوگوں کی بے ہودہ باتوں پر رنجیدہ نہ ہو۔ سچائی کا مقابلہ جھوٹ سے کرنے والے آخر کار اس دنیا میں بھی ناکام ہوں گے اور آخرت میں بھی اپنا بُرا انجام دیکھ لیں گے۔

۶۴ — اب کفار کے اُس سوال کا اِستدلالی جواب دیا جا رہا ہے جو آیت ۴۸ میں نقل کیا گیا تھا۔ اُن کا یہ سوال کہ "قیامت کی دھمکی کب پوری ہوگی" کچھ اس غرض کے لیے نہ تھا کہ وہ قیامت کے آنے کی تاریخ معلوم کرنا چاہتے تھے، بلکہ اس بنا پر تھا کہ وہ مرنے کے بعد انسانوں کے دوبارہ اُٹھائے جانے کو بعید از اِمکان، بلکہ بعید از عقل سمجھتے تھے۔ اسی لیے ان کے سوال کے جواب میں اِمکانِ آخرت کے دلائل ارشاد ہو رہے ہیں۔

ابنِ عباسؓ، قَتَادَہؒ اور سعید بن جُبَیرؒ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر کفارِ مکہ کے سرداروں میں سے ایک شخص قبرستان سے کسی مُردے کی ایک بوسیدہ ہڈی لیے ہوئے آ گیا اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اسے توڑ کر اور اس کے منتشر اجزا ہوا میں اُڑا کر آپؐ سے کہا: اے محمدؐ! تم کہتے ہو کہ مُردے پھر زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔ بتاؤ، ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ اس کا جواب فوراً ان آیات کی صورت میں دیا گیا۔

۶۵ — یعنی وہ نطفہ جس میں محض ایک ابتدائی جرثومۂ حیات کے سوا کچھ نہ تھا، اس کو ترقی دے کر ہم نے اس حد تک پہنچایا کہ وہ نہ صرف جانوروں کی طرح چلنے پھرنے اور کھانے پینے لگا، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اس میں شعور و تعقُّل اور بحث و اِستدلال اور تقریر و خطابت کی وہ قابلیتیں پیدا ہو گئیں جو کسی حیوان کو نصیب نہیں ہیں، حتّٰی کہ اب وہ اپنے خالق کے بھی منہ آنے لگا ہے۔

۶۶ — یعنی ہمیں مخلوقات کی طرح عاجز سمجھتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ جس طرح انسان کسی مُردے کو زندہ نہیں کر سکتا، اُسی طرح ہم بھی نہیں کر سکتے۔

۶۷ — یعنی یہ بات بھول جاتا ہے کہ ہم نے بے جان مادّہ سے وہ ابتدائی جرثومۂ حیات پیدا کیا جو اس کا ذریعۂ تخلیق بنا، اور پھر اس جرثومے کو پرورش کر کے اسے یہاں تک بڑھا لائے کہ آج وہ ہمارے سامنے باتیں چھانٹنے کے قابل ہوا ہے۔

QuranUrdu.com

وَّ هِیَ رَمِیْمٌ ﴿۷۸﴾ قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَ هُوَ
بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمُۙ ﴿۷۹﴾ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ
نَارًا فَاِذَاۤ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ اَوَ لَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى ۗ وَ هُوَ
الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ ﴿۸۱﴾ اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ
كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۸۲﴾ فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ
وَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ ع

وقف غفران

ع ۵ ۱۲ ۴

جب کہ یہ بوسیدہ ہو چکی ہوں؟" اس سے کہو: انھیں وہی زندہ کرے گا جس نے پہلے انھیں پیدا کیا تھا، اور وہ تخلیق کا ہر کام جانتا ہے۔ وہی جس نے تمھارے لیے ہرے بھرے درخت سے آگ پیدا کر دی اور تم اس سے اپنے چُولھے روشن کرتے ہو۔[۶۸] کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اِس پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسوں کو پیدا کر سکے؟ کیوں نہیں، جب کہ وہ ماہر خلّاق ہے۔ وہ تو جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا کام بس یہ ہے کہ اسے حکم دے کہ ہو جا، اور وہ ہو جاتی ہے۔ پاک ہے وہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا مکمل اقتدار ہے، اور اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو۔ ع

۶۸ – یا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے ہرے بھرے درختوں میں وہ آتش گیر مادّہ رکھا ہے جس کی بدولت تم لکڑیوں سے آگ جلاتے ہو۔ یا پھر یہ اشارہ ہے مَرخ اور عَفار نامی اُن دو درختوں کی طرف جن کی ہری بھری ٹہنیوں کو لے کر اہلِ عرب ایک دوسرے پر مارتے تھے تو ان سے آگ جھڑنے لگتی تھی۔ قدیم زمانے میں عرب کے بدّو آگ جلانے کے لیے یہی چقماق استعمال کیا کرتے تھے اور ممکن ہے آج بھی کرتے ہوں۔